مطبوعات مجلس یادگار غالب
پنجاب یونیورسٹی لاہور

۷

سبد چین

میرزا اسداللہ خان غالب

(تالیف ۱۸۶۷ء)

بہ تصحیح و تحقیق
سید وزیر الحسن عابدی

سبد چین

طابع : سید اظہارالحسن رضوی
مطبع عالیہ ۵ ۱۲۰ ٹمپل روڈ ، لاہور

مطبوعات مجلس یادگار غالب
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

سبدِ چین

میرزا اسداللہ خان غالب

(تالیف ۱۸۶۷ء)

بہ تصحیح و تحقیق

سیّد وزیر الحسن عابدی

۱۹۶۹ء

مجلسِ یادگارِ غالبؔ

★

صدرِ مجلس:

پروفیسر حمید احمد خان ستارۂ پاکستان / ستارۂ امتیاز وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور

ارکان

جناب عبد الرحمٰن چغتائی لاہور

مولانا غلام رسول مہرؔ لاہور

پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ سابق صدر شعبۂ فلسفہ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور

سید امتیاز علی تاج، سیکرٹری مجلسِ ترقیِ ادب لاہور

مولانا حامد علی خان، مدیر مؤسسۂ مطبوعات فرینکلن لاہور

کیپٹن عبد الواحد مؤسسۂ مطبوعات فرینکلن لاہور

ڈاکٹر جسٹس ایس اے رحمٰن، سابق چیف جسٹس پاکستان لاہور

پروفیسر ڈاکٹر قاضی سعید الدین احمد صدر شعبۂ امورِ طلبا پنجاب یونیورسٹی لاہور

گروپ کیپٹن سید فیاض محمود ناظم شعبۂ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی لاہور

پروفیسر ڈاکٹر سید عبد اللہ صدر دائرۃ المعارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام، ناظم ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر، پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج و صدر شعبۂ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور

سید وقار عظیم غالب پروفیسر اُردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

سید وزیر الحسن عابدی، ریڈر شعبۂ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور

جناب احمد ندیم قاسمی، مدیر مجلۂ فنون لاہور

پروفیسر ڈاکٹر عبادت بریلوی، صدر شعبۂ اُردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

جناب صفدر میر، روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد اجمل، صدر شعبۂ نفسیات، گورنمنٹ کالج لاہور

پروفیسر اختر اقبال کمالی، شعبۂ انگریزی اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور

ڈاکٹر وحید قریشی، ریڈر شعبۂ اُردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

جناب انتظار حسین، روزنامہ مشرق لاہور

جناب اقبال حسین، شعبۂ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی لاہور

معتمد

ڈاکٹر آفتاب احمد خان، جائنٹ سیکرٹری وزارت اطلاعات و نشریات حکومت پاکستان ڈھاکہ

ڈاکٹر عبدالشکور احسن، ریڈر شعبۂ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور

نائب معتمد

سید سجاد باقر رضوی، لیکچرر انگریزی یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

پیش لفظ

مجلسِ یادگارِ غالب کا قیام پنجاب یونیورسٹی کے ایک فیصلے کے مُطابق عمل میں آیا اور پروفیسر حمید احمد خاں صاحب اس کے صدر مُقرر ہُوئے۔ مجلس نے غالب کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے جو کتابیں شائع کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اُنھیں مَیں غالب شناسوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہُوں۔

یُونیورسٹی کے ایک اَور فیصلے کی رُو سے شعبۂ اُردو میں کُرسیِ غالب قائم ہُوئی۔ مَیں مسرّت کے ساتھ اِعلان کر رہا ہُوں کہ اِس اسامی پر پروفیسر سیّد وقار عظیم کا تقرر کیا جا چُکا ہے۔

(پروفیسر) علاءُ الدّین صدّیقی
وائس چانسلر، جامعۂ پنجاب
لاہور

سینٹ ہال
مارچ ۱۹۶۹ء

تعارف

★

فروری ۱۹۶۹ء میں مرزا غالب کی وفات پر ایک سو برس پورے ہوتے ہیں۔ اِس موقع کی مناسبت سے پنجاب یونیورسٹی نے شاعری کی عظمت کے اعتراف کے طور پر نہ صرف شعبۂ اُردو میں ایک پروفیسر کی نئی اسامی "(کرسئ غالب)" قائم کی ہے، بلکہ مجلسِ یادگارِ غالب کے تعاون سے ایک سلسلۂ مطبوعات شائع کرنے کا اہتمام بھی کیا ہے۔ یہ کتاب اِسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

مجلسِ یادگارِ غالب کے قیام کی تحریک جنوری ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر آفتاب احمد خان نے کی۔ وہ مجلس کے پہلے معتمد اور سید سجاد باقر رضوی شریک معتمد مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر آفتاب احمد خان کے لاہور سے ڈھاکے منتقل ہو جانے پر ڈاکٹر عبادت شکور احسن مجلس کے دُوسرے معتمد قرار پائے۔ اواخر ۱۹۶۸ء میں جب ہمارا سلسلۂ کُتب طباعت کے مرحلے میں داخل ہوا تو صدرِ مجلس کو ڈاکٹر محمد باقر کی مسلسل اعانت اور مشورہ بھی قدم قدم پر میسّر رہا۔ جن اربابِ فکر و نظر نے مجلس کی درخواست پر اِس سلسلۂ کُتب کی ترتیب تالیف یا تصنیف میں حصّہ لیا اُن میں سے ہر ایک کا نام متعلقہ کتاب کے سرورق

کی زینت ہے۔ مجلسِ یادگارِ غالب کے ارکان کے ناموں کی پوری فہرست اِس کتاب کے شروع میں الگ شائع کی جارہی ہے۔

مجلس کے سلسلۂ مطبوعات میں سب سے پہلے مرزا غالب کی تصانیف آتی ہیں جو اُردو اور فارسی نظم و نثر پر مشتمل ہیں۔ یہ تصانیف نفسِ مضمون کی رعایت سے یا موزونی ضخامت کا لحاظ کر کے مختلف جلدوں میں تقسیم کر دی گئی ہیں۔ اِن سب کتابوں پر مؤلفین نے دیباچے لکھے ہیں اور حسبِ ضرورت حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے۔ نیز جہاں تک ممکن ہو سکا دستیاب وسائل کی مدد سے ہر متن کی تصحیح کی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ مرزا غالب کی تصانیف میں سے کوئی کتاب رہ نہ جائے۔ چنانچہ اُن کی بعض نگارشات جو مرورِ زمانہ سے تقریباً ناپید ہو چکی تھیں، اب پھر اہلِ نظر کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہیں۔ دیوانِ غالب کا نسخۂ حمیدیہ، جسے صدرِ مجلس نے مرتّب کیا ہے، ایک پہلے فیصلے کے مطابق مجلسِ ترقیٔ ادب، لاہور، کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔ غالب کی صرف یہی ایک کتاب مجلسِ یادگارِ غالب کی مطبوعات میں شامل نہیں۔

مرزا غالب کی تصانیف کے علاوہ مجلس کی مطبوعات میں وہ کتابیں بھی شامل ہیں جن میں اِس یگانۂ روزگار کے شخصی، فنّی اور فکری کمال کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو انگریزی دان لوگ اُردو نہیں جانتے انہیں

غالب کے فکر و فن سے متعارف کرنے کے لئے ایک مفصل کتاب انگریزی زبان میں شائع کی جا رہی ہے۔ ایک اور کتاب میں غالب پر شائع شدہ مواد کے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ پھر اس سوال کا جواب کہ "میں نے غالب سے کیا پایا" ایک تیسری کتاب کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ اس میں متعدد غالب شناس حضرات کے ذاتی تاثرات جمع کئے گئے ہیں۔ اسی طرح ایک اور مجموعے میں گذشتہ ایک سو برس کی تنقیدِ غالب کا خاکہ اقتباسات کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ کتابیں فروری ۱۹۶۹ء میں شائع ہو رہی ہیں۔ گویا ان کی تاریخِ اشاعت سے مرزا غالب کی حیات بعدِ ممات کی دوسری صدی شروع ہوتی ہے۔ مجلس کو یقین ہے کہ اس دوسری صدی میں غالب کے قبولِ عام کی سرحدیں کچھ اور وسیع ہو جائیں گی۔ خدا کرے کہ دنیا کو ہند اسلامی تمدن کے آخری ترجمان سے روشناس کرانے میں مجلس کی یہ سعی رائگاں نہ جائے۔

حمید احمد خاں
صدر مجلس یادگارِ غالب
جامعۂ پنجاب، لاہور

سینیٹ ہال
فروری ۱۹۶۹ء

فہرستِ مندرجات

سبد چین

دیباچۂ مرتب	۲
دیباچۂ غالب	۸
قصائد	۳
ترکیب بند	۳۵
ترجیع بند	۴۹
قطعات	۵۹
غزلیات	۱۱۱
فردات	۱۳۵
رباعیات	۱۴۱
تعلیقات	۱۵۳

دیباچۂ مرتب

سبدچین غالب کے بقیۃ الکلام کا پہلا[1] مستقل مجموعہ ہے ، جو انہوں نے ربیع الثانی ۱۲۸۴ہجری/اگست ۱۸۶۷ء میں مطبع محمدی دہلی میں چھپوا کر شائع کیا تھا ۔ اس سے پہلے ان کا کلیات نظم فارسی ۱۲۷۹ھ کے نصف آخر/۱۸۶۳ء کے نصف اول میں مطبع نولکشور لکھنؤ ، میں طبع ہوا تھا ۔ یہ اُن کے دیوان فارسی مطبوعۂ مطبع دارالسلام دہلی (بہ سال ۱۸۴۵ء) کے بعد ان کے فارسی کلام کی دوسری طباعت و اشاعت تھی ۔ پھر ۱۲۸۰/۱۸۶۴ءمیں حکیم غلام رضا خان نے ان کی مشہور فارسی مثنوی ابر گہر بار ، جو کلیات میں چھپ چکی تھی ، علیحدہ چھاپی اور دو قصیدے ، تین قطعے اور دس رباعیاں ان کے کلام کی باقیات کے طور پر اس مثنوی کے آخر میں درج کردیں ۔ غالب نے اس مجموعے کی تقریظ میں کہا ہے :

”سعادت و اقبال نشان حکیم غلام رضا خان ابن عالیجاہ حکیم مرتضیٰ خان ابن فرزانۂ یگانہ حکیم صادق علی خان مرحوم

۱ ۔ دوسرا باغ دودر ہے ۔

مثنوی ابر گہر بار دو قصیدہ و چند قطعہ و اند رباعی کہ پس از طبع کلیات فارسی از مبدء فیاض بہ من حوالت رفتہ بود برسواد آن نگارش افزود۔" یہی مندرجات بعد میں سبدچین کی بنیاد بنے۔

لیکن غالب کا یہ کہنا درست نہیں کہ یہ تمام کلام کلیات کی طباعت کے بعد کا ہے۔ اس مجموعے میں شروع کے دو قصیدے وہ ہیں جو ۱۸۶۳ء میں کہے گئے تھے۔ کلیات کا مسودہ مطبع کو دینے کے بعد کہے گئے ہونگے، لیکن پہلا قطعہ (سبد چین میں چوتھا) جو انقلاب ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد کا ہے، ۱۸۶۲ء کے بعد کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ البتہ دوسرا قطعہ جو سبد چین میں چھٹا ہے ۱۸۶۳ء کا ہے مگر تیسرا قطعہ (سبد چین میں بارہواں) ایک مسجد کا قطعۂ تاریخ ہے جو ۱۸۵۲ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ اسی طرح پہلی رباعی (سبد چین میں دوسری) ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے کی ہے۔ اور پانچویں رباعی (سبد چین میں چھٹی) مسلم طور پر بہادر شاہ ظفر کے فرزند اور مدارالمہام مرزا شاہرخ کے سال وفات ۱۸۴۷ء سے پہلے کی ہے، بلکہ اسے جولائی ۱۸۳۸ء اور دسمبر ۱۸۴۱ء کے درمیان کی قرار دیا جاسکتا ہے۔ چھٹی رباعی (سبد چین میں آٹھویں) دستنبو میں آئی ہے اور اس طرح اگست ۱۸۵۸ء سے پہلے کی ہوئی۔ ساتویں رباعی (سبد چین میں نویں) ۲۳ فروری ۱۸۵۸ء کو کہی گئی تھی۔ نویں رباعی (سبد چین میں

دسویں) اگست ۱۸۵۸ء سے پہلے کی ہے ، اس لیے کہ یہ بھی دستنبو میں درج ہوئی ہے ۔ ان تاریخوں کا تعین اور اُسکی توضیح حواشی اور تعلیقات میں کی گئی ہے ۔ اس طرح اس مجموعے میں غالب کا کلام ۱۸۳۸ء سے ۱۸۶۷ء تک کی مدت پر پھیلتا ہے ۔

البتہ سبد چین کے دیباچے میں غالب نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ اس مجموعے میں بعض منظومات وہ ہیں جو کلیات کی طباعت کے بعد کا کلام ہیں اور بعض وہ جو ان کے احباب کے پاس اس سے پہلے کے مسودوں میں موجود تھیں ۔

یہ مجموعہ جس میں مثنوی ابرگہربار کے ضمیمے کی چیزوں کے ساتھ چار قصیدوں ، ایک ترکیب بند ، ایک ترجیع بند ، ایک مثنوی (بصورت قطعہ) ، انتیس قطعات ، دس غزلوں ، تیرہ فردات اور آٹھ رباعیوں کا اضافہ ہے ، دیباچے میں غالب کی تصریح کے مطابق کچھ کم ہزار ابیات پر مشتمل ہے ۔ در اصل یہ اشعار تعداد میں سات سو ترپن ہیں ۔

سبدچین غالب کی زندگی میں ایک ہی بار شائع ہوئی تھی ۔ معاصر دانشور جناب مالک رام صاحب نے اس مجموعے کو ۱۹۳۸ء میں پہلے مطبوعہ نسخے سے دوبارہ مرتب کر کے شائع کیا اور اردوئے معلی ، مکاتیب غالب ، یادگار غالب اور واقعات دارالحکومت دہلی سے لیکر کچھ چیزیں اس میں بڑھا دیں ۔ اسکے علاوہ تین قطعے انھیں فاضل بزرگوار جناب غلام رسول مہر

سے ملے ، ایک قطعہ **دیوان غالب** 'اردو' کے ایک قلمی نسخے سے ، ایک **تذکرۂ غوثیہ** سے اور ایک **تیغ تیز** سے - ہم نے یہ زائد چیزیں زیر نظر نسخے میں شامل نہیں کیں ، تاکہ کتاب کی وہی صورت رہے جو **غالب** کے مرتبہ نسخے کی تھی - مذکورہ زوائد **کلیات نظم فارسی** کی حالیہ اشاعتوں میں شامل کرلیے گئے ہیں - البتہ جیسا کہ **غالب** نے **سبدچین** کے دیباچے میں اعتراف کیا ہے ، اس مجموعے میں منظومات کی ترتیب صنف سخن یا قافیہ و ردیف کے مطابق نہیں رکھی جاسکی تھی - لیکن **باغ دودر** کے حصۂ نظم میں ، جس میں پوری **سبدچین** شامل ہے ، اس قسم کی کوئی بے ترتیبی نہیں اور بنیاد وہی **سبد چین** کی ہے ، اس لیے ہم نے ترتیب **باغ دودر** کے مطابق رکھی ہے ، البتہ قافیہ و ردیف کی رعایت جو **باغ دودر** میں بھی نہیں ہے ، ہم نے ملحوظ نہیں رکھی ، تاکہ **غالب** کی قائم کردہ ترتیب زیادہ نہ بدلنے پائے -

سبدچین کی اولین اشاعت میں طباعت کی اغلاط جگہ جگہ ملتی ہیں جن میں سے بعض دوسری اشاعت میں بھی باقی رہی ہیں ، اس لیے کہ اس کی بنیاد وہی مطبوعہ نسخہ ہے - ہمیں خوش‌قسمتی سے **سبدچین** کی تصحیح کےلیے تین قلمی نسخے مل گئے جن کی کتابت **غالب** کے زمانے میں ہوئی ہے - ایک **باغ دو در** کا قلمی نسخہ جس کی کتابت خود **غالب** کے لیے کی گئی تھی اور متن میں کئی جگہ تصحیح خود اُن کے قلم کی

معلوم ہوتی ہے ۔ دوسرے باغ دو در کے حصہ نظم کا وہ نسخہ جو غالب کے دوست اور شاگرد قاضی عبدالجمیل جنوں بریلوی کی ملکیت رہا ہے اور گمان غالب ہے کہ خود قاضی صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ۔ اس کے اوراق انھوں نے کلیات نظم غالب مطبوعہ ۱۸۶۳ء کا شیرازہ کھول کر جلد میں ہر متعلقہ صنف سخن کے مندرجات کے آخر میں بڑھا لیے تھے اور بعض منظومات حاشیوں میں لکھ لی تھیں ۔ تیسرا مثنوی ابر گہربار کا نہایت عمدہ اور خوش خط نسخہ ہے، جس کی کتابت ۱۸۶۴ء میں ہوئی ہے ۔ پہلے دو نسخے راقم کے ذاتی ذخیرے میں ہیں اور یہ تیسرا نسخہ محب گرامی جناب احمد حسین صاحب قریشی قلعہ داری لیکچرار فارسی، زمیندارہ کالج گجرات کے کتب خانے کا ہے، جس سے موصوف نے از راہ لطف و نوازش استفادے کا موقع دیا ۔

لاہور، ۱۵ فروری ۱۹۶۹ء سید وزیر الحسن عابدی

دیباچۀ غالب

بنامیزد سبدچین میوۂ را گویند کہ پایانِ موسم بر شاخسار ماند و چون آنرا بچینند شاخسار بے بار ماند ۔ بر آئینہ آنچہ پس از انطباعِ کلیاتِ فارسی گفتہ شد و آنچہ یاران از دیرین مسودات داشتند و من از آن خبر نداشتم و اینک بمن رساندند در اوراقِ جداگانہ ضبط کردہ شد و آنرا سبدچین نام نہادہ آمد ۔

دانم کہ از فراہم آوردنِ کلیات کہ دہ ہزار بیت دارد چہ کشود کہ ازین ابیات کہ در شمارِ ہزار بیت نتواند رسید خواہد کشود ۔ تفرقۂ اقسامِ شعر و تقدیم و تاخیر و قیدِ ردیف وسال برنتافتہ ام آنچہ گفتہ ام و از دیگران یافتہ ام نگاشتہ ام و اکنون کہ ناسورِ کہن را تراوش نماند ، کلک از کف فرو گذاشتہ ام ۔ سپس اگر سخنے در اندیشہ خواہد گذشت روشناس صفحہ نخواہدگشت۔ یا رب ، گسستنِ پیوندِ جان و تن بر من آسان باد و آن دم جز حمدِ تو و نعتِ محمد علیہ السلام در دل و بر زبان مگذراد ۔

قصائد

۱

بیا که مدحِ خداوندِ داد گر گویم
از آنچه گفتم ازین پیش بیشتر گویم

چنانکه اوست ، نیارم ثنایِ داور گفت
بقدرِ حوصلهٔ خویشتن مگر گویم

ز دفترست فزون مدح ومن ز خیره سری
برآن سرم که درین صفحه سربسر گویم

بدین شکوه نخواهد که گویمش خاقان
دگر زیاده ازین چیست تا دگر گویم

جهان‌کشای‌وجهان پرور و جهان آرای
چوآن قدر نتوان گفت این قدر گویم

وے آنچنان‌ومن اینسان که شرمسارشوم
سپهرمنظر و انجم‌سپه اگر گویم

گہے ز خاکِ رہش آبِ زندگی خواہم
گہے مسیح‌دم و گہ فرشته‌فر گویم

درین نورد که از نغز نغز تر سنجم
درین خیال که از خوب خوبتر گویم

ز غیب آنچه فروریختند در خاطر
نخست از رهِ پرسش به‌همدگر گویم

که بے مبالغه فرزانه **لارڈ الگن** را
وزیرِ اعظمِ سلطانِ بحر و بر گویم

بدین کلاه که فرکیان ازو دارد
گزاف نیست اگر شاهِ تاجور گویم

بیا که لشکرِ نوابِ نامدار آمد
برم ز چشم بدل این نوید و بر گویم

زچرخِ اول وچارم به مزدِ مژده‌دهی
طلب کنم مه و خورشید تا خبر گویم

ز شادمانیِ نظارهٔ رخش هردم
به چشم تهنیتِ رونقِ نظر گویم

زخاکِ راهِ وے آکسیر در نظر دارم
رُخم سیاه اگر حرفِ سیم و زر گویم

ز شاعری به ندیمی رسیده ام خواهم
که رویداد به پیرایهٔ سمر گویم

رعایتِ ادب آئینِ من بود ناچار
فسانه گرچه دراز است مختصر گویم

پس از وصول بمنزل پیام من که برد
اگر نه آنچه توانم درین سفر گویم

به بزم گرنددهد بار، چون سوار شود
ز سرگذشت حکایت برهگذر گویم

بزار زمزمه‌دارم،همین نه یک سخن است
که چون تمام شود ، آن‌سخن ز سرگویم

هم از فساد دل زار و داغ غم نالم
هم از نزاع رگ جان و نیشتر گویم

زبانه‌وار زبانم شررفشان گردد
اگر براه حدیث تف جگر گویم

شود رکاب تگاور درآب ناپیدا
اگر روانی سیلاب چشم تر گویم

به‌کلبه ام گهر‌شب‌چراغ خس‌پوش است
سخن ز تیرگی طالع هنر گویم

من آن نیتم که بهنگامهٔ سخن‌سازی
گهی ز خاور و گاهی زباختر گویم

سخن نهال نو و کهنه باغبان غالب
نهال را به نوی مزدهٔ ثمر گویم

طریقِ وادیِ غم را کسے نبوده رفیق
خود از صعوبتِ این راهِ پُر خطر گویم

در آن دیار که گوہر خریدن آئین نیست
دکان کشوده ام و قیمتِ گہر گویم

ز عزّ و جاهِ نیاگانِ خویش در سرکار
ہزار گونه حکایاتِ معتبر گویم

سخن طرازِ دعا یافت اینت نخلِ مراد
دگر بجایِ ثمر بعد ازین اثر گویم

دعایِ دولت شاه و وزیر ہمواره
ز نیم شب کنم آغاز و تا سحر گویم

یہ قصیدہ لارڈ الگن (Lord Elgin) کی مدح میں ہے ، جن کا نام دسویں شعر میں مذکور ہے ، لارڈ الگن (ارل آف الگن ـ Earl Of Elgin) ۱۸۶۲ع میں گورنر جنرل رہے تھے ـ ۱۸۶۳ع میں میرٹھ میں ان کا دربار ہوا تھا ـ (اخبار عالم نمبر ۱۳ جلد ۵) ـ یہ قصیدہ اسی موقع پر کہا گیا ہوگا ـ

مثنوی ابر گہر بار مطبوعہ اکمل المطابع دہلی ، ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳-۶۴ع) کے آخر میں غالب کے جو دو قصیدے درج ہیں ، ان میں یہ پہلا قصیدہ ہے ـ پھر یہ سبد چین میں بھی شامل کیا گیا ـ

۲

وقت آنست که خورشید فروزان هیکل
گردد آینده گراینده بفرگاه حمل

وقت آنست که بندار بهار آراید
نونهالان چمن را بعروسانه حلل

وقت آنست که خاک ته جو مست شود
که به کیفیت لای می ناب است وحل

وقت آنست که بینی ز گداز یخ و برف
بررخ خاک روان گشته زهر سو منهل

وقت آراستن جیش بهار است که باد
زد بچار آینه داغ شقایق صیقل

وقت آنست که از بهر برون راندن خون
ابر را نیشتر برق دود در اکحل

باد پرکار شود نقطه خاکش مرکز
که درین دایره هر نقش نشیند به محل

هرچه کاهد ز شب البته فزاید در روز
کم شود دود ز افزایش نور مشعل

سیل نشود که روان گشته ز آبِ باران
هست شاخابهٔ نهرِ لبن و جوی عسل

رُستنی بسکه ازین آب کنند نشو و نما
کامِ ذوقِ شکر و شیر برد از حنظل

من به‌فکرِ دگر و غیر چنان پندارد
که سخن میکنم از تازگیِ دشت و جبل

چه کشاید ، شگفد غنچه اگر برسرِ شاخ
من و دل نامِ یکی عقدهٔ ما لا ینحل

خود چرا هرزه ز رنجوریِ نرگس نالم
که ز شبنم بودش دیده گرفتارِ سبل

چه بود سُودِ من از دهر، اگر دو صحرا
آب درگو بود و سبز گیا برسرِ تل

نشود کار دگرگون چو بود ماه به ثور
نکند قدرِ من افزون چو رود خور به‌حمل

نیست در آینهٔ مذهبِ یکرنگیِ من
این گل و سبزه بجز صورتِ عزّی و هبل

چشم بر رویِ دل افروزِ کسی دوختهام
که ز چشمِ بدِ ایّام مبیناد خلل

چون چنین است که از بهر هواداری گل
سبزه را نامیه در باغ فرستد اوّل

کلک من دفتر تشبیب کشاید زان پیش
که طراز رقم مدح در آرد به عمل

ورق شعر به از باغ که ریحانش را
گرچه خواناست خط، امّاست سوادش سهل

اندرین وقت که جشن سده را وقت گذشت
اندرین حال که نو روز بود مستقبل

خامه باربد آهنگ دلاویز صریر
زخمه بر تار روان کرد بهنجار غزل

پیشرو تهنیت مقدم هنگام بهار
زمزمه مدحت نواب گورنر جنرل

جان لارنس بهادر که نظیرش زنهار
هیچ بیننده نبیند بجهان جز احول

ایکه در معرض فخر و شرف از عزّ و جلال
هرچه بایست همه یافته از عزّ و جل

ای که در عهد تو کس شکوه ندارد الا
فلک پیر ز بیکاری مریخ و زحل

اے بہ‌فرتابِ خرد مظہرِ آثارِ خرد
اے بہ‌فرمانِ ازل محرمِ اسرارِ ازل

پادشاہ است شہنشاہ و تو اورا دستور
باشد این پایہ ز ہرگونہ امارت اکمل

این وزارت‌کہ ترا داد زشاہی کم نیست
اے جہان جوی‌وجہان‌گیروجہاندار اجل

ق

مہر زان خط شعاعی بسبیلِ تمثیل
ماہ زان داغ گرانپای بعنوانِ مثل

پہلوانے ست کہ ژوپینِ تو باشد بکفش
نقرہ خنگےست کہ تمغایِ تو دارد بکفل

بسکہ دولت بہ سُمِ رخشِ تو داردپیوند
چون بجولانش درآری بسر دشت و جبل

آن شود سودۂ گوہر ، شوداین‌گنجِ روان
رسل و نملے کہ دہد روی درانثای رمل

بشنو از من کہ زبانم گہرافشان‌ابرےست
کش ز بارندۂ نیسان نتوان داد بدل

بہ‌سن از پیشِ گورمنٹ ہمایون توقیع
می‌رسد برنمطِ سابقۂ روزِ ازل

هست زان دفتر فرخندهٔ فرخ آثار
رقمی چند مرا زیب ده جیب و بغل

از چهل‌سال رجوعم به‌در دولت تست
وایه ها یافته ام از توجه اکثر چه اقل

روشناس کف پای تو بود دیدهٔ من
خالی از گرد رهت نیست هنوزم مکحل

چون ترا داد قضا منصب دارائی هند
چون تراکرد قدر مرجع ارباب دول

از قدوم تو برافروخت رخ شاهد ملک
از وجود تو فزون گشت شکوه کونسل

میفرستم به نظرگاه تو نظم و نثری
خالی از طول کلام و تهی ازطول امل

غالب گوشه نشین رو به تو آورد ، ولی
دلش ازبیم دو نیم است و دماغش مختل

بر چنین بندهٔ دیرینه ببخشای که او
نیست با این همه درمدح طرازی تنبل

اندرین نامه که نامی به ثنای تو بود
میکنم ختم سخن، لیک نه ازروی کتسل

بل ازان راه که در معرضِ حسنِ گفتار
نظرافروز بود شیوهٔ ما قلّ و دلّ

در دعا شرط و جزا گرنبودنیست زبان
خواهشے چند فراز آورم اینک مجمل

بهرِ ذاتِ تو ز دادار تمنا دارم
شادمانی و توانائی و عمرِ اطول

وزپیِ دولت و اقبال بہان میخواہم
که زچشمِ بدِ ایـّام مبیناد خلل

یہ قصیدہ بھی ، جو لارڈ جان لارنس ، گورنر جنرل (۱۸۶۵ع تا ۱۸۶۸ع) کی مدح میں ہے ، پہلے قصیدے کی طرح مثنوی ابر گہر بار کی جداگانہ اشاعت میں شامل تھا اور اس کے بعد سبدچین میں درج کیا گیا ۔

بیت ۲۰ میں کونسل ، جو بفتح سین باندھا گیا ہے ، تصرف شاعرانہ نہیں ہے ، البتہ اُردو کے تلفظ کے مطابق ہے ، جیسے غالب نے فارسی میں بھی استعمال کیا ہے ۔ غالب کے زمانے میں اردو میں اس لفظ کا عام تلفظ یہی تھا ، بلکہ یہ تلفظ بیسویں صدی تک بھی پہنچا اور بعض حلقوں میں رہا ، لیکن انگریزی تعلیم عام ہوجانے کے بعد کونسل یا کاؤنسل (بکسرسین) کو عام رواج حاصل ہوگیا ۔

۳

تجلئی که ز موسلی ربود هوش بطور
بشکلِ کلبِ علی خان دگر نمود ظهور

خجسته سرورِ سلطان شکوه را نازم
که رشک بر کلهش دارد افسرِ فغفور

هوایِ لطفِ وی ازجانِ خوربتر دسوزش
نگاهِ قهرِ وی ازرویِ مه رباید نور

دمِ نگارشِ وصفِ کلامِ شیرینش
چوخیلِ مور دود بر ورق حروفِ سطور

فضایِ رزمگهش شاه راهِ قهر و غضب
بساطِ بزمگهش کارگاهِ سور و سرور

بخوانِ شرعِ بهین هم نوالهٔ شبلی
به بزمِ عشق مهین هم پیالهٔ منصور

ز رویِ رابطهٔ حسن ماهتابجمال
بحسبِ ضابطهٔ جاه آفتابظهور

بحکمِ مرتبه آو حاکم و فلک محکوم
ز راهِ قاعده شرع آمرست و آو مأمور

چو آبِ سیلِ روانے کہ ایستد بہ مغاک
بو کہ ہمیشہ بہ فنجانِ وے شرابِ طہور

زہے وزیر و خہے شہریار دانا دل
تو شاہِ کشورِ حسن و خرد ترا دستور

بنایِ منظرِ جاہِ ترا زحل معمار
ثوابتِ کرۂ چرخِ ہشتمین مزدور

ثناگرِ تو سکندر بہ بارجای جلال
قضاخورِ تو ارسطو بہ درسگاہِ شعور

ق

برای بزمِ نشاطِ تو شمع چون ریزند
نہ پیہِ گاو بہ کار آورند و نے کافور

ز فیضِ نسبتِ خلقِ تو عنبرِ سارا
بجایِ موم بر آید ز خانۂ زنبور

ق

بدین خرام و بدین قامت و بدین رفتار
ز بہرِ فاتحہ آئی اگر بہ سوی قبور

جہانِ جانی و جانِ جہان عجب نبود
کہ از ورودِ تو ہر مردہ رقصد اندر گور

ق

به پیشگاه تو زانو همی زند انصاف
که ای بمرحم وکرم در جهانیان مشهور

در انتقام‌کشی شیوهٔ کرم مگذار
بر آر کام دل بدسگال از ساطور

توئی بعقل فزایندهٔ عروج علوم
توئی بعلم کشایندهٔ عقود صدور

صریر خامهٔ من بین که می رباید دل
چنانکه از لب داؤد استماع زبور

سواد صفحهٔ من بین و تابش معنی
عیان چو شمع فروزنده در شب دیجور

امیر زنده دل، آن والی ولایت نظم
به گنج خانهٔ گنجه نظامیش گنجور

غروب مهر و طلوع مهر دوهفته بود
رسیدن تو بدین اوج بعد آن مغفور

چو او بزیر زمین رفت و آن ولایت یافت
تو باش والی روی زمین قرون ودهور

به انجمن نرسیدم ز ناتوانائی
ولی بعرض ثنا و دعا نیم معذور

بخاکِ پایِ تو گر دستگاه داشتمی
نبودمی بغمِ دوریِ در تو صبور

من آن کسم که ز افراطِ ورزشِ اخلاق
به غیبت است مرا دعویِ دوامِ حضور

توئی رحیم دل و من سقیم ، دوری به
مباد رنجه شوی از نظارهٔ رنجور

کفی بدست تهی‌تر ز کیسهٔ دلاک
دلی بسینه بسی تنگ‌تر ز دیدهٔ مور

کمی ز ما و کرم از شما ، بلا تشبیه
زکرد گار بود رحمت و ز بنده قصور

نظر به خستگی و پیری و تهیدستی
قبول کردنِ تسلیمِ من خوش است ز دور

شعارِ غالبِ آزاده جز دعا نبوَد
که باد سعیِ دعا گوی در دعا مشکور

بدهر تا بوَد آئین که در نوا آرند
رباب و بربط و قانون و نے بمحفلِ سور

به بزمِ عیشِ تو ناہید باد زمزمه سنج
نسیم عطرفروش از شمیمِ طرهٔ حور

محب ز لطفِ تو بالنده چون نوا از ساز
عدو زبیمِ تو نالنده چون خر از طنبور

غالب نے یہ قصیدہ نواب کلب علی خان والی رام پور کی مسند نشینی (جمعہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۸۶۵ع) کی تہنیت میں کہہ کر بھیجا تھا ۔ اس قصیدے کی تصنیف کا سال ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۵ع) اور مہینہ ذی الحجہ (اواخر اپریل و مئی) ہے اور تاریخیں ۱۰ ذی الحجہ (٦ مئی) اور ۲۸ ذی الحجہ (۲۴ مئی) کے درمیان ہو سکتی ہیں ۔ تفصیل کے لیے دیکھیں تحقیق نامہ ، ص ۲۰۰ ۔

تعظیمِ غسلِ صحتِ نواب کم مگیر
زان عید کان مضاف بود جانبِ غدیر

امروز میرِ ہند بتود انجمن‌طراز
آن‌روز گشت شاہِ نجف بر ہمہ امیر

دانم شنیدهٔ کہ در اقصایِ مغرب است
سرچشمهٔ کہ خضر[۴] شد از وے بقاپذیر

جوئے بریده اند و روان کرده اند آب
حمام را بہ‌حوض ازان فرخ آبگیر

ہنگامِ شب کہ زیرِ زمین باشد آفتاب
از تابِ مہر گرم شد آن آب ناگزیر

حمامِ حوض بنگر و گلجامش آسمان
وان را سفید کرده فروغِ مہِ منیر

طاسش یکے ز زہره و دیگر ز مشتری
این سیمِ خام وآن دومین زرِ ناب‌گیر

صبحے بہ‌دستگیریِ ایام روشناس
آورده از عمود عصا بہرِ چرخِ پیر

صبحے بہمایہ بخشیِ آفاق نامور
در شش‌جہت ز نور روان کرده جوی شیر

گرمابہٴ چنان خوش و آبے چنان نکو
روزےچنین مبارک و وقتے چنین ہجیر

آمد برای غسل بہ گرمابہ اندرون
مانندِ معنئے کہ دہد روی در ضمیر

نواب کز وفورِ جلال و جمالِ خویش
گوئی شہمست و مسندِ جاہش بود سریر

ناظم کہ شورِ نظمِ نظامی نظامِ او
رہ بستہ بر ترانهٴ سودا و درد و میر

گر لطفِ معنی است نظامی عدیلِ اوست
ور حسنِ صورت است بود یوسفش نظیر

وقتِ نفاذِ حکم فلک باشدش مطیع
حینِ صلاحِ کار خرد گرددش مشیر

اے آن‌کہ در فروزشِ سیمای عزّ و جاه
مہر از تو ہمچو ماه زمہراست مستنیر

در لشکرِ تو مالکِ عقرب بود عسس
در دفترِ تو والیِ جوزا بود دبیر

در مسلکِ رضای تو **زاوش** مرید خاص
در مجلسِ عتابِ تو **کیوان** کهن اسیر

من بنده در خرابهٔ دهلی بکنجِ غم
بودم بسی نژند و جگرخسته و حقیر

گفتی که از فزونیِ غمهای جانگداز
همچون نمک در آبم و همچون شکر به شیر

در لرزه عضو عضوِ تن از باد دیمهی
گفتی معذّبم من و سرماست زمهریر

بود اشکِ چشمِ من ز گدازِ جگر بقم
زان سان که بود گونهٔ رویم ز غم زریر

گوشِ گران و رویِ پر آژنگ و پشتِ کوز
وزغم به سینه‌تعبیه چون چنگ صدنفیر

میکرد بردم از خلهٔ خارِ غم فغان
غالب که هیچگاه ننالد ز زخمِ تیر

ناگاه صبحگاه به دلجوئیِ نگاه
دولت درآمد از در و فرمود کای فقیر

سجاده در نورد و شرابِ صبوح خواه
دلشاد باش و از غمِ بی رونقی مپیر

کامد ز رامپور نوید فرح‌فزا
دروے ہمہ حکایتِ گرمابہ و غدیر

اکنون ز سنگ رگ بدر آرم اگر بزور
پندارم این کشیدنِ مو بود از خمیر

در خوابگاہِ من ز فراوانیِ سرور
چندین ہزار زمزمہ دارد نیِ حصیر

دیگر مباد خانۂ من درکفم روان
جز نغمۂ نشاط اگر باشدش صریر

ایمانِ من گذاردنِ حقِ مدحِ تست
آن مدح گر طویل بود ور بود قصیر

حقِ نمک بمدح و ثنا می کنم ادا
منگر بدین کہ مدح قلیل است یا کثیر

حق جو و حق‌شناسم و حق‌گو وحق‌گزار
ترسم چرا ز اشتلمِ منکر و نکیر

گر رفته‌ام ز کار ور افتاده‌ام ز پای
نیروی کار بخش و توام باش دستگیر

اینک 'فراغ' و 'اختر نیک'، و 'خجسته‌روز'
پیداست زین سه لفظ سه تاریخ دل پذیر

خالی مباد جای تو در بزم گاه باغ
تا ساز را نوا بود و مرغ را صفیر

غالباً یہ پورا قصیدہ ، اور یقینی طور پر اس کے سات شعر : ۳ تا ۶ ، ۱۱ ، ۱۲ (؟) ، ۳۵ ، غالب نے ۲۶ نومبر ۱۸۶۳ء کا دن گذر کر چار گھڑی رات گئے نواب یوسف علی خان والی رامپور کا خط ملنے پر ، جس میں اُن کے غسل صحت کی اطلاع تھی ، رات کو بیٹھ کر کہے تھے اور ۲۷ نومبر کو اپنے خط (شمارہ ۳۹ ، مکاتیب غالب ، ص ۲۹) کے ساتھ نواب صاحب کو بھیجے تھے ۔ تفصیل کے لیے دیکھیں عرشی صاحب کے متعلقہ حواشی (ایضاً ، ص ۱۳۹) ۔ عرشی صاحب نے خیال ظاہر کیا ہے کہ غالب نے یہ سات شعر پورے قصیدے سے منتخب کر کے بھیجے ہونگے ۔

بیت : ۱۳ : ناظم : نواب یوسف علی خان فردوس مکان کا تخلص ۔

۱۴ : دوسرے مصرعے میں نواب صاحب کے نام کی طرف لطیف اشارہ ہے ۔

۵

ز ہے دو چشمِ تو در معرضِ سیہ کاری
چو **بختیارک** و **بختک** بمردم‌آزاری

ز ہے بہ‌زور **بدیع الزمانِ** کشتی گیر
کہ کوہسار چو نارنجِ تر بیفشاری

زہے خیالِ تو آدم ربا چو تندکِ دیو
دماغِ اہلِ نظر قافِ اوست پنداری

ز غمزۂ تو چہ گویم کہ آن بود ز عمر
دلیر و چست و ہنرمند تر بہ‌عیّاری

اگر تو نیستی از ساحرانِ عنطلیہ
چرا بہ لہو ہمی آتش از ہوا باری

بدین جمال کہ داری عجب مدار، اگر
کند **چکیدۂ قدرت** ترا پرستاری

بمہرِ روی تو گردیدم آفتاب‌پرست
نہ **ایرجم** کہ عبث تن دہم بدین خواری

سپس بہ‌مذہبِ **تورج** کہ بود ماہ‌پرست
ترا پرستم **ازین** رو کہ ماہ‌رخساری

توئی بمعنیِ اصلی دبودِ نورالدهر
همین به‌نام که معنی نداشت ، پنداری

چکد ز زلفِ تو خونِ دلم بدانگونه
که ریزد از لبِ زنگی در آدمی خواری

فغان ز بارِ غمِ دهر کان بسنجیدن
عمودِ خسروِ هندست در گرانباری

به پیشِ چرخِ مشعبد چه‌هوشیار،چه مست
که این به‌عربده همچون عمر ز طراری

ز روی ریش تراشد همی به بیهوشی
ز فرق تاج رباید همی به هشیاری

خصومتی به‌من افتاده زالِ دنیا را
که دم حیبۀ بود در فنونِ مکاری

به‌جیشِ عشق منم سر برهنهٔ تهشی
که مویِ سر به‌سرم کرده است دستاری

نهیبِ فتنه به الجوبِ شش گزی ماند
که بود هر لکدش را جراحتِ کاری

شدست لاغریِ من گلیمِ غیبیِ من
که باشم و توام از حاضران نه انگاری

ق

منم که فکرِ من اندر زمینِ شعر و سخن
همیگذشت ز اشقر به تیزرفتاری

چه اوفتاده که یارب کنون چو **ارنالیس**
بهخاک و خون تپدم تن همی بهناچاری

چنان بهخوردنِ غمِعادیم که چون **عادی**
نبوده هیچ گهی سیریم ز پرخواری

نهاده هنفتسان نامِ من **ملک** قاسم
ز خونِ دیده بود بسکه جامه گلناری

ق

رسیده بخل به فکرِ من از عمر میراث
که هیچگه ندهد در سخن مرا یاری

دروغ گفته ام آن فکر تیز زنبیل است
که گم شود ز عمر در دمِ گرفتاری

چو حمزه را بهجهان بعدِ مرگِ **مهرنگار**
ز تیغ و تاج و نگین روی داد بیزاری

نماند در نظرِ دزدِ کهنه اسلوبی
جز آنکه باز کشاید دکانِ عطاری

دلستحمزهولب در فسونگری عمراست
بدا لبی که ز دل نبودش مددگاری

ق

شد آنکه بود کلامم طلسم گوهر بار
بپاره نهر ز آب گهر دران جاری

چو حمزه کش به عقابین در کشید فلک
به‌دام وام ، نفس میکشم به‌دشواری

بقاست قرض و منم حمزه و ز بهر من الد
چهل خلیفه تقاضا ئیان بازاری

چو ساحران همه را شغل آتش افشانی
چو اژدها همه را ذوق آدم‌اوباری

ز زهرمهره نشد زهر حمزه به ، آن به
که نوشداروی نوشیروان بچنگ آری

مگر بفصل وے آیم برون ز بند بلا
چنانکه حمزه به نیروی پیر فرخاری

امیر کلب علی خان بهادر آنکه بود
عدیل حمزه در اسپهبدی و سالاری

درش نوازش طبل سکندری دارد
ز بے بلندی آوازۂ جهانداری

بود بلارک افراسیابیش در کف
که هیچگه نشود چون هلال زنگاری

چه‌گویم از نمط لشکر ظفرپیکر
که در شمار نیاید همی ز بسیاری

همه مقابل مقبل به‌ناوک‌اندازی
همه مساهم خسرو به طاقت اظهاری

بیا ببین که در آردوی این امیر کبیر
سپرده اند علم شاه را علم داری

چو قندز آنکه جلو دار حمزه بود ، اینک
رسیده است به‌خاقان چین جلوداری

سزدکه فخر بر اقبال خود کند لندور
ازین که یافته توقیع گرزبرداری

مپرس بردرش از هستی زمرد شاه
مگر یکی بود از کافران زنهاری

شنیدهٔ که خداوند باختر چون بود
کنون به بندگی خواجه گشت اقراری

گذشت آنکه "چه تقدیر کرده‌ام" میگفت
بمقتضای غلط‌فهمی و غلط‌کاری

کنون به‌عجز "چه تقصیر کرده ام" گوید
ز بندگان خدا چون بسوے رسد خواری

رموزِ حمزه فرو هِل خمش نشین غالب
چرا مرا به سخنهایِ هرزه آزاری

ز تست رونقِ گیتی به‌دانش آرائی
ز تست زینتِ معنی به نغز گفتاری

قصیدهٔ تو ، ولے کاسهٔ گدائیِ تست
ستوه آمده باشی ز رنجِ ناداری

غمین مباش که از گنج خانهٔ نواب
خودآن‌قدرکه به‌دل داشتی به‌دست آری

به‌وقتِ گدیه گدا را دعاست دست آویز
بر آر دست به‌درگاهِ حضرتِ باری

چراغِ دودهٔ سرور علی محمد خان
گزین بهالِ ثمر در فنِ سپهداری

ز رویِ کلب علی خان همیشه روشن باد
چنانکه تابشِ مهر از سپهرِ زنگاری

دیکھیں تعلیقات

٦

تاچه نیرنگ است این کاندر جهان آورده اند
نو بهارے طرفه در فصلِ خزان آورده اند

مرغزارے کان بود در آذر و دے ماه زرد
آنچنان دانی که کشتِ زعفران آورده اند

رنگِ گلهایِ بهاری گر نبینی ، گو مبین
بویِ گلهایِ بهار از هر کران آورده اند

دربهشت آن خود نباشد بگذر از اردی بهشت
رونقے کز بهرِ باغ و بوستان آورده اند

آنچه باد از غنچه می‌آورد و می زد بر مشام
آشنایانِ شمیم از عطردان آورده اند

هر چه خواهی درمیان از هرکنار افشانده اند
هر چه جوئی بر زمین از آسمان آورده اند

هرچه می‌بینی و خواهی دید در فرخنده بزم
تا نپنداری که اینها رایگان آورده اند

پنج دیگر بعد ازین آرند واکنون بےدرنگ
گنجِ باد آورد و گنجِ شایگان آورده اند

چون جواهر را شمارے نیست گویم مجملاً
حاصلِ صد سالهٔ دریا و کان آورده اند

تا ز بخشش های شاہنشاہِ ہند و انگلینڈ
خلعت از بہرِ خدیوِ شہنشان آورده اند

جیغه و سرپیچ کان چشم وچراغِ دولت است
بہرِ فرقش از فرازِ فرقدان آورده اند

از شعاعِ مہر تار، از پرتوِ مہتاب پود
جامه ہای زرنگار و زرفشان آورده اند

در حمایل کز گلویِ شہریار آویختند
گوہر از پروین و تار از کہکشان آورده اند

تیز دم تیغے که ہمچون برقش از روزِ ازل
بے نیاز از گردشِ سنگِ فسان آورده اند

وآن زحل پیکر سپر کز بہرِ دفعِ تیغ و تیر
از سوادش جسم را حرزِ امان آورده اند

ابر مانا پیل کز رعدش صدا بخشیده اند
برق وش توسن که از بادش عنان آورده اند

گر به پشتِ پیل زرین جل فرود افگنده اند
بہر توسن گوہرین برگستوان آورده اند

دیگر آن زرین سلاسب خورشید منظر پالکی
کز نی خم داده قوسش درمیان آورده اند

قوس کان برسطح گردون جای سعد اکبر است
نے که خود سازند وخود نامش کمان آورده اند

این که گفتم بر طریق خلعت ، اهل حل و عقد
هرچه می بایست ومی شایست آن آورده اند

میهانان کان همه فرماندهان کشور اند
این فتوح از بهر والا میزبان آورده اند

خازنان گنج غیبی بین که از روی وداد
بس شگرف اشیای دیگر ارمغان آورده اند

دولت و اقبال و فخر و عزت و جاه و جلال
کز فراوانی نگنجد در گمان ، آورده اند

رحمت حق آشکارا و نهان دارد ظهور
روشنی چشم و نیروی روان آورده اند

هم ز روی لوح محفوظ است ،گر امروز باز
حکم محکم بهر ربط جسم و جان آورده اند

شاه داور را نوید دین و دولت داده اند
شهریان را مژدهٔ امن و امان آورده اند

چون شمارِ عمرِ انسان جز در استقبال نیست
بر دوامش عهد و پیمان درمیان آورده اند

وانکہے بر عہدو پیما نے کہ بستند این زمان
خضر[۴] را کان زنده میگردد ضمان آورده اند

قدسیان گفتند ، یارب دیر ماناد این امیر
آنچہ غالب داشت در دل بر زبان آورده اند

چون دعا ازقدسیانست ، از من آمینے بس است
شاد باشم ، کش حیاتِ جاودان آورده اند

دیکھیں تعلیقات

ترکیب بند
ترجیع بند
مثنوی

ترکیب بند

خواہم از بند بہ زندان سخن آغاز کنم
غم دل پردہ‌دری کرد ، فغان ساز کنم

بہ‌نوائے کہ زمضراب چکانند خوناب
خویشتن را بہ سخن زمزمہ پرداز کنم

در خرابی بہ جہان میکدہ بنیاد نہم
در اسیری بہ سخن دعویِ اعجاز کنم

بے مشقت نبود قید ، بہ شعر آویزم
روزکے چند رسن‌تابیِ آواز کنم

چون سرایم سخن ، انصاف ز مجرم خواہم
چون نویسم غزل ، اندیشہ ز غماز کنم

تا چہ افسون بہ‌خود از ہیبت صیاد دمم
تا چہ خون در جگر از حسرتِ پرواز کنم

یہ شاہکار نظم جو غالب کی ”قید فرنگ“ کے فنی حاصلات میں سے ہے ، ان کے ایام اسیری (۱) میں (یعنی اواخر ماہ مئی اور اواخر ماہ ستمبر ۱۹۳۷ء کے درمیان (۲) وجود پذیر ہوئی ، جیسا
۱۸۴۷ء
(جاری)

یارِ دیرینہ قدم‌رنجہ مفرما کاینجا
آن نگنجد کہ تو در کوبی و من باز کنم

ہاے ناسازی طالع کہ بہ‌من گردد باز
با خرد شکوہ گر از طالع ناساز کنم

اہلِ زندان بہ سر و چشمِ خودم جا دادند
تا بدین صدرنشینی چہ‌قدر ناز کنم

ہلہ دزداں گرفتار ، وفا نیست بہ‌شہر
خویشتن را بہ‌شما ہمدم و ہمراز کنم

من گرفتارم و این دایرہ دوزخ ، تن زن
در سخن پیروی شیوۂ ایجاز کنم

گرچہ توقعِ گرفتاری جاویدم نیست
لیکن از دہر دگر خوشدلی امیدم نیست

کہ خارجی اور داخلی شواہد سے ثابت ہے - اس نظم کا تعارف سب سے پہلے خواجہ حالی نے کرایا اور اس کو اپنے تبصرے اور انتخاب میں نمایاں حیثیت دی - (یادگار غالب ، ص ۲۳) - حالی نے اس
(جاری)

شمع ہر چند بہر زاویہ آسان سوزد
خوشتر آنست کہ بر نطع در ایوان سوزد

عودِ من ہرزہ مسوزید ، وگر سوختنی ست
بگذارید کہ در مجمرِ سلطان سوزد

خانہ ام زاتشِ بیدادِ عدو سوخت ، دریغ
سوختن داشت ز شمعیکہ شبستان سوزد

منم آن خستہ کہ گر زخمِ جگر بنایم
برمن از مہر دلِ گبر و مسلمان سوزد

منم آن سوختہ خرمن کہ ز افسانۂ من
نفسِ راہرو و رہزن و دہقان سوزد

منم آن قیس کہ گر سوی ِ من آید لیلی
محمل از شعلۂ آوازِ حدی خوان سوزد

ترکیب بند کو غالب کی ''عمدہ ترین'' نظموں میں شمار کیا ہے ۔ جناب غلام رسول مہر کی رائے میں یہ غالب کی ''ایک بہترین نظم'' ہے . ظ انصاری نے کہا ہے ''جیل میں جو ۸۴ شعر کا ترکیب بند (جاری)

تا چسانم گذرد روز بہ شبہا ، درباب ،
از چراغے کہ عسس بردر زندان سوزد

تنم از بند در انبوہِ رقیبان لرزد
دلم از درد بر اندوہِ اسیران سوزد

از نمِ دیدۂ من فتنۂ طوفان خیزد
از تفِ نالۂ من جوہرِ کیوان سوزد

آہ ازین خانہ کہ روشن نشود در شبِ تار
جزبدان خواب کہ در چشمِ نگہبان سوزد

آہ ازین خانہ کہ در وے نتوان یافت ہوا
جز سمومے کہ خس و خارِ بیابان سوزد

اے کہ در زاویہ شبہا بہ‌چراغم شمری
دلم از سینہ برون آر کہ داغم شمری

انھوں نے لکھا وہ جاں و تن کی آزادی طلب کرنے والے شاعر کا ایسا کارنامہ ہے جس کی مثال دنیا کی بڑی بڑی زبانوں میں مشکل سے ملے گی ۔ شیخ اکرام کا اندازہ ہے کہ پچھتر برس بعد

(جاری)

پاسبانان بہم آئید کہ من می آیم
درِ زندان بکشائید کہ من می آیم

ہر کہ دیدے ، بہ درِ خویش سپاسم گفتے
خیرِ مقدم بسرائید کہ من می آیم

جادہ نشناسم و زانبوہِ شما می ترسم
راہم از دور نمائید کہ من می آیم

رہروِ جادۂ تسلیم درشتی نکند
سخت گیرندہ چرائید کہ من می آیم

خست تن دررہ و تعذیب ضرور است اینجا
نمک آرید و بسائید کہ من می آیم

عارضِ خاک بہ پاشیدنِ خون تازہ کنید
رونقِ خانہ فزائید کہ من می آیم

اقبال نے مولانا محمد علی کی ''اسیری پر جو نظم لکھی اس پر غالب کے اسی زندان نامے کی کیفیت طاری ہے ۔'' (غالب شناسی ، ص ۴۷) ۔ مالک رام صاحب نے غالب کے اس ''اسیریے'' کو (جاری)

چون من آیم بمشہا، شکوۂ گردون ز رواست
زین سپس ژاژ نخائید کہ من می آیم

ہان ، عزیزان کہ درین کلبہ اقامت دارید
بختِ خود را بستائید کہ من می آیم

تا بہ دروازۂ زندان پیِ آوردنِ من
قدمے رنجہ نمائید کہ من می آیم

چون سخن سنجی و فرزانگی آئینِ من است
بہرہ از من بربائید کہ من می آیم

بہ خود از شوق ببالید کہ خود باز روید
بمن از مہر گرائید کہ من می آیم

بسکہ خویشان شدہ بیگانہ ز بدنامیِ من
غیر نشگفت خورد گر غمِ ناکامیِ من

''فارسی نظم کے سرمائے میں بیش بہا اضافہ'' قرار دیا ہے (ذکر غالب ، ص ۶۴) ۔ غالب کی شخصیت اور فکر و فن کے مطالعے کے لیے ان کی اس شعری تخلیق کا مبسوط تنقیدی جائزہ بہت مفید

(جاری)

آنچہ فرداست ہم امروز در آمد گوئی
آفتاب از جہتِ قبلہ برآمد گوئی

دل و دستے کہ مرا بود فروماند زکار
شب و روزے کہ مرا بود سر آمد گوئی

سرگذشتم ہمہ رنج و الم آرد گفتی
سر نوشتم ہمہ خوف و خطر آمد گوئی

بہرۂ اہلِ جہان چون ز جہان درد وغم است
بہرۂ من ز جہان بیشتر آمد گوئی

خستن و بستنِ من حدِ عسس نیست ، برو
برمن اینہا ز قضا و قدر آمد گوئی

ہنرم را نتوان کرد بہ خستن ضائع
خستگی ، غازۂ رویِ ہنر آمد گوئی

ہو سکتا ہے ، اور غالب کی شاعری میں ایک نئے موڑ کا سراغ لگانے میں مدد دے سکتا ہے کہ کس طرح یہ حادثہ ''غازۂ روی ہنر'' ثابت ہوا ۔

(جاری)

غمِ دل داشتم اینک غمِ جانم دادند
زخم را زخمِ دگر بر اثر آمد گوئی

چرخ یک مردِ گرانمایہ بہزندان خواہد
یوسف از قیدِ زلیخا بدر آمد گوئی

مژہ امشب ز کجا اینہمہ خوناب آورد
اینچنین گرم ز زخمِ جگر آمد گوئی

خودچرا خون خورم ازغم کہ بغمخواریِ من
رحمتِ حق بہ لباسِ بشر آمد گوئی

خواجۂ ہست درین شہر کہ از پرسشِ وی
پایۂ خویشتنم در نظر آمد گوئی

مصطفٰی خان کہ درین واقعہ غمخوارِ من است
گر بمیرم ، چہ غم از مرگ ، عزا دارِ من است

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں : یادگار غالب ص ۲۲ ، غالب ، مہر ، آٹھواں باب ، مکاتیب غالب ، دیباچہ (ص ۱۷ حواشی) ، ذکر غالب ، ص ۲۶ ، آثار غالب ، ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ، ص ۵۸ ، (جاری)

خواجه دانم که بسے روز نمانم در بند
لیک دانی که شب از روز ندانم در بند

نپسندم که کس آید نتوانم که روم
جانبِ در بهٔحسرت نگرانم دربند

خسته ام خسته من و دعویِ تمکین حاشا
بند سخت است ، تپیدن نتوانم دربند

شادم از بند که از بندِ معاش آزادم
از کفِ شحنه رسد جامه و نانم در بند

آمه و خامه بیارید و سجل بنویسید
خواب از بخت ہمی وام ستانم در بند

یا رب این گوہرِ معنی که فشانم ز کجاست
بند بردل بود و نیست زبانم در بند

ہندوستانی اخبار نویسی ، ص ۲۵٦ ، نیز جناب مرتضٰی حسین کا مقالہ : غالب اور قید ، آج کل ، دہلی ، اپریل ۱۹۵۰ء ، گوپی چند صاحب نارنگ کا مقالہ : غالب اور حادثۂ اسیری ، نقوش ، لاہور ، اگست ۱۹٦۰ء

(جاری)

ہر کس از بندِ گران نالد و ناکس کہ منم
نالم از خویش کہ بر خویش گرانم در بند

خوی خوش بہرِ مصیبت زدہ رنجے دگر است
رنجہ از دیدنِ رنجِ دگرانم در بند

رفتہ دربارۂ من حکم کہ با درد و دریغ
شش مہ از عمرِ گرامی گذرانم در بند

اگر این است ، خود آنست کہ عیدِ اضحیٰ
گذرد نیز چو عیدِ رمضانم در بند

مدتِ قید اگر در نظرم نیست چرا
خونِ دل از مژہ بےصرفہ چکانم در بند

نیستم طفل کہ در بندِ رہائی باشم
ہم ز ذوق است کہ در سلسلہ خائی باشم

(۲) غالب ، مہر ، ص ۱۸۷ ، حاشیہ ۔

من نہ آنم کہ ازین سلسلہ تنگم نبود
چہ کنم چون بہ‌قضا زہرۂ جنگم نبود

زین دو رنگ آمدہ صد رنگ خرابی بظہور
گلۂ نیست کہ از بختِ دو رنگم نبود

رازدانا غمِ رسوائی‌جاوید بلاست
بہرِ آزار غم از قیدِ فرنگم نبود

لرزم‌از خوف درین‌حجرہ کہ ازخشت‌وِ گل‌است
ورنہ در دل خطر از کامِ نہنگم نبود

زین دو سرہنگ کہ پویند بہم ، می ترسم
بیمے از شیر و ہراسے ز پلنگم نبود

منم آئینہ و این حادثہ زنگ است ولے ۸
تابِ بدنامیِ آلایشِ زنگم نبود

آه ازان دم که سرایند ز زندان آمد
اندرین دائره گیرم که درنگم نبود

همدمان ، داردم امیدِ رهائی در بند
دامن از بعدِ رهائی تهِ سنگم نبود

جورِ اعدا رود از دل بهرهائی ، لیکن
طعنِ احباب کم از زخمِ خدنگم نبود

به شگافِ قلم از سینه برون می ریزد
بسکه گنجائیِ غم در دلِ تنگم نبود

حاش لله که درین سلسله باشم خوشنود
چه کنم چون سرِ این رشته بچنگم نبود

به صریرِ قلمِ خویش بود مستیِ من
اندرین بندِ گران بین و سبکدستیِ من

ہمدمان ، در دلم از دیدہ نہانید ہمہ
غالبِ غمزدہ را روح و روانید ہمہ

للہ‌الحمد کہ در عیش و نشاطید ہمہ
للہ‌الشکر کہ با شوکت و شانید ہمہ

ہم در آئینِ نظر سحرطرازید ہمہ
ہم در اقلیمِ سخن شاہ نشانید ہمہ

چشمِ بددور کہ فرخندہ‌لقائید ہمہ
شاد باشید کہ فرخ گہرالید ہمہ

سود بینید ، وفا دیدہ و نورید ہمہ
زندہ مانید ، صفا قالب و جانید ہمہ

من بہ‌خون خفتہ و بینم ، ہمہ بینید ہمہ
من جگرخستہ و دانم ، ہمہ دانید ہمہ

درمیان ضابطۂ مہر و وفائے بود ست
من برینم کہ ہر آئینہ برآئید ہمہ

روزے از مہر نگفتید فلانی چون است
بارے از لطف بگویید ، چسانید ہمہ

گر نباشم بہجہان ، خار و خسے کم گیرید
اے کہ سرو و سمنِ باغِ جہانید ہمہ

چارۂ گر نتوان کرد ، دعائے کافی ست
دل اگر نیست خداوندِ زبانید ہمہ

ہفت بند است کہ در بند رقم ساختہ ام
بنویسیدو ببنید و بخوانید ہمہ

آن نباشم که به ہر بزم ز من یاد آرید
دارم امید که در بزمِ سخن یاد آرید

ترجیع بند

ورودِ سرورِ سلطان نشان مبارک‌باد
به شهر مقدمِ نوشیروان مبارک باد

سرورِ خوشدلی و انبساط و آسایش
نشاطِ شادی و امن و امان مبارک‌باد

نه این دیار که شهرےست در قلمروِ ہند
به ملکِ ہند کران تاکران مبارک باد

ز طبعِ خلق بدر برد عدل ، ناسازی
دوامِ رابطۂ جسم و جان مبارک باد

وفورِ عیش به دارای خلق ارزانی
ہجومِ خلق برآن آستان مبارک باد

ذربعۂ شرف و عزّ و جاہِ شہر آمد
وزیرِ پادشه و پادشاہِ شہر آمد

یہ ترجیع بند جو تیسرے بند کے دوسرے شعر کی تصریح کے مطابق ١٨٦٦ء میں کہا گیا ، گورنر جنرل ، سر جان لارنس (Sir John Lawrence) کی مدح میں ہے ، جو بعد میں
(جاری)

به اهلِ شهر بگو تا به خویشتن نازند
نشاط و شادی و سور و سرور آغازند

بساطهای گرانمایه در فضای چمن
بگسترند و بهم طرحِ بزم اندازند

زخیمه‌ها و سرا پرده‌های رنگارنگ
سپهرهای دگر بر زمین بیفرازند

دمے که این همه آئین بشهر بر بندند
ز خانه بهرِ پذیره شدن بدر تازند

چو روی دیده‌فروز خدایگان نگرند
بدین نوای دل‌آویز نغمه پردازند

ذریعهٔ شرف و عزّ و جاهِ شهر آمد
وزیرِ پادشه و پادشاهِ شهر آمد

لارڈلارنس ہوئے۔ ان کی عہدہ داری کا زمانہ ۱۸۶۴ء سے شروع ہوکر ۱۸۶۹ء میں ارل آف میو (Earl of Mayo) کے عہدہ دار ہونے تک ہے۔ ۱۸۶۶ء میں ان کی کلکتے کی آمد پر اہل دہلی کے لیے

(جاری)

جمالِ کوکبۂ شہریار می بینم
فروغِ بخت درین روزگار می بینم

ہزار و ہشت صد و شصت و شش ز سالِ مسیح
بہارِ تازہ بہ فصلِ بہار می بینم

زمانہ درپیِ قطعِ امید و من بہ خیال
خوشم کہ رویِ خداوندگار می بینم

بہ بارگہ چو سکندر دویست می نگرم
بہ خاکِ رہ چو ارسطو ہزار می بینم

ندیدہ بلبلِ بے بال و پر بہ جانبِ باغ
بہ حسرتے کہ سویِ رہگذار می بینم

ذریعۂ شرف و عزّ و جاہِ شہر آمد
وزیرِ بادشہ و بادشاہِ شہر آمد

دربار انبالہ میں ہوا تھا ۔ غالب کو بلایا گیا تھا ، لیکن وہ جا نہیں سکے تھے ۔ غالب کے خط ۹۶ (خطوط ، مہر ، ج ۱۹۱ : اردوے معلی ، خط ص ۱۰) میں اس کا ذکر ہے ۔ اس خط میں (جاری)

رخِ نکوی ترا ماہِ آسمان گویم
قدِ بلندِ ترا سروِ بوستان گویم

حدیثِ مدحِ تو برتر بود ز منطقِ من
مگر بہ تہنیتِ طالعِ زبان گویم

گورنری نہ ز شاہی کم است ، میدا نم
تو ہرچہ نام نہی، خویش را چنان گویم

بہ پیرہن اگرافشاندہ غم شرر، گلہ نیست
سخن ز سوختنِ مغزِ استخوان گویم

ز زندگی کہ بسے نیست ، ہم بدان شادم
کہ دوستان بہمن و من بہ‌دوستان گویم

ذریعۂ شرف و عزّ و جاہِ شہر آمد
وزیرِ پادشہ و پادشاہِ شہر آمد

غالب نے تاریخ چہار شنبہ ۱۳ رمضان درج کی ہے ، جو ۱۲۸۲ھ میں واقع ہوتی ہے اور ۳۱ جنوری ۱۹۶۶ء سے مطابقت رکھتی ہے - مزید تصدیق کے لیے دیکھیں اخبار عالم ، میرٹھ ، شمارہ ۵ جنوری ۱۸۶۵ء -

همیشه بر نمط داد در جهانبانی
تو آصفی کن و وکتوریه سلیمانی

رخ تو مهر درخشان به‌عالم‌افروزی
کف تو ابر بهاران به‌گوهرافشانی

نهان به طبع تو اسرار علم اشراق
عیان ز روی تو انوار فر یزدانی

به حلم و لطف ترا شیوهٔ ملک شاهی
به بذل و جود ترا دستگاه قاآنی

ببین بر آینه ترجیع بند غالب را
که آیتی است گرامایه درثناخوانی

ذریعهٔ شرف و عزّ و جاه شهر آمد
وزیر پادشه و پادشاه شهر امد

مثنوی

درین سال نواب عالی جناب
بروی زمین غیرت آفتاب

محمد علی خان فرخنده خوی
که هم نامداراست و هم نامجوی

چو بنشست برمسند سروری
ازو سروری یافت آن برتری

که از سروری یافت شاهی رواج
کلاه مهی گشت همسر به تاج

زهی شهرت این همایون جلوس
که آوازه افتاد در روم و روس

ق

ز غالب که از روزگارے دراز
برین عتبه ساید جبین نیاز

بہ نظارۂ حسنِ اقبالِ جشن
سخن رفت دربارۂ سالِ جشن

پس از شکرِ دادارِ جان‌آفرین
چنیں گفت پیرِ قناعت گزین

کہ چون 'اخترِ نیک' آمد بہ‌فال
ہم از 'اخترِ نیک' پیداست سال

بیت : ۱ ، ۲ : اس مثنوی نما قطعے کے ممدوح نواب یمین‌الدولہ وزیر الملک محمد علی خان بہادر صولت جنگ ، والیِ ٹونک ہیں ۔
۷ : نواب صاحب جنوری ۱۸۶۵ء کو مسندنشین ہوئے تھے ۔
۹ ۔ مادۂ تاریخ ''اختر نیک'' سے ۱۲۸۱ سال ہجرت حاصل ہوتا ہے ، جس کی مطابقت یہاں مذکورۂ بالا سال سے مقصود ہے ۔

قطعات

۱

غالب این رنگین کتاب گلشن بیخار نام
روکش جنات تجری تحتها الانہار ہست

گر کسے لب تشنۂ تاریخ اتمامش بود
'جوی ہای آب' ہم در 'گلشن بیخار' ہست

بیت : ۱ : گلشن بیخار : تذکرہ شعرائے فارسی و اردو مؤلفۂ نواب مصطفیٰ خان متخلص بہ شیفتہ و حسرتی (متولد ۱۸۰۶ع مطابق ۱۲۲۰ھ یا ۱۲۲۱ھ، متوفی ۱۸۶۹ع مطابق ۱۲۸۶ھ) -

۲ : گلشن بیخار کی تصنیف کا آغاز ۱۲۴۸ھ، مطابق ۳۳-۱۸۳۲ع میں ہوا تھا اور تکمیل ۱۲۵۱ھ مطابق ۳۶-۱۸۳۵ع میں - یہ تذکرہ پہلی مرتبہ ۱۲۵۳ھ مطابق ۳۸-۱۸۳۷ع میں چھپا تھا - 'گلشن بیخار' کے اعداد '۱۲۱۳' میں 'جوہای آب' کے اعداد '۳۸' کا تعمیہ ہے جس سے سال ۱۲۵۱ھ مطابق ۳۶-۱۸۳۵ع حاصل ہوتا ہے - غالب نے ۱۲۵۱ھ کو کتاب کی تکمیل کا سال قرار دیا ہے -

۲

احترام‌الدوله فرمان داد تا
دل کشا گرمابهٔ انجام یافت

بامدادان رفت آنجا بہرِ غسل
آنکه در گفتار غالب نام یافت

قطعهٔ تاریخِ آن فرخ‌بنا
ہم درآنجا صورتِ ارقام یافت

'شست' 'پا' 'چون' 'راحت' و 'آرام' 'جست'
ہر دو را در 'گوشهٔ حمام' یافت

حمام: یہ حمام احترام الدولہ عمدۃالحکماء معتمدالملک حاذق الزماں حکیم احسن اللہ خاں ثابت جنگ طبیب دربار بہادر شاہ ثانی نے اپنی اس وسیع حویلی کے احاطہ میں ۱۲۶۸ھ مطابق ۵۲-۱۸۵۱ع میں بنوایا تھا، جو شہر دہلی میں لال کنوئیں سے اجمیری دروازے تک پھیلی ہوئی تھی۔ خود یہ حویلی محمد شاہ بادشاہ دہلی کے وزیر وزیرالملک اعتماد الدولہ نواب قمر الدین خاں کی تعمیر کردہ تھی، جس کا ایک حصہ آخر میں حکیم صاحب کی ملکیت میں آ گیا۔ اس قطعهٔ تاریخ میں 'گوشہ حمام' کے اعداد '۸۲۰' میں 'راحت' کے اعداد '۶۰۹' اور 'آرام' کے '۲۴۲' کا تعمیہ اور بہرینہ 'شست' لفظ 'پا' کے اعداد '۳' کا تخرجہ ہے، جس سے سال تعمیر ۱۲۶۸ھ حاصل ہوتا ہے۔

۳

در ہزار و دو صد و شصت و شش از دنیا گذشت
بانویِ شاہِ اود مریم مکانی نامِ او

آنکہ چونِ بالایِ بامِ کاخ شستے رویِ خویش
آبِ حیوان ریختے از ناودانِ بامِ او

مردنش ہم بر کمالِ حسنِ او آمد دلیل
چون مہِ کامل بہ دہر از نور پُر شد جامِ او

در نوردِ رہروی شد سامرہ منزلگہش
خود اساسِ آن زمین بود از پیِ آرامِ او

گفت غالب سالِ فوتش، لیکن از رویِ نیاز
'باد با بنتِ[۴] رسولِ ہاشمی انجامِ او'

۱ : اس قطعے کی رو سے مریم مکانی کا سال وفات ۱۲۶۶ھ ہے، لیکن تاریخ اودھ (جلد چہارم، ص ۲۳۶) میں ۱۲۶۳ھ درج ہے، اور ماہ صفر کی تیسری تاریخ بروز پنجشنبہ جو ۱۲۶۴ کو سال وفات مانکر ۱۰ جنوری ۱۸۴۸ء کے مطابق ہوئی -

مریم مکانی کا اصل نام بادشاہ بیگم تھا اور یہ غازی‌الدین حیدر بادشاہ اودھ کی زوجہ تھیں -

۵ - مادہ تاریخ 'باد با بنت رسول ہاشمی انجام او' کے اعداد '۱۲۱۴' میں 'روی نیاز' یعنی 'ن' کے '۵۰' اعداد کا تعمیہ ہے، جس سے سال وفات ۱۲۶۴ھ ۱۸۴۸ء حاصل ہوتا ہے -

۴

سپهر مرتبه اے ویسرای ِ کشور ِ ہند
کزالتفات ِ تو دل بشگفد چوگل ز نسیم

بقدر ِ فهم ِ من است این‌که گفته ام ، ورنه
نوازش ِ تو دمد روح در عظام ِ رمیم

ز روی و خوی ِ تو ہردم مدد رسد در بزم
نگاه را به فروع و مشام را به شمیم

شگفت نیست که نوشیران و سنجر را
کنی قواعد ِ انصاف گستری تعلیم

تو آن امیر ِ کبیری که در جهانداری
خدا کلاه ِ ترا داد ارزش ِ دیهیم

رواست سکه بنام ِ تو، لیک حرف این است
که ننگ داشته نام ِ تو از سبیکهٔ سیم

ز رأفت ِ تو الف دال یافت بعد از شین
بهرکجا که الف نون بود بعد از جیم

پس از خرابیِ دہلی تو آمدی کہ دگر
کنی فلک زدگان را درین دیار مقیم

سپس بنامِ تو شہرے جدید خواہد بود
نہ آنکہ شاہِ جہان ساخت در زمانِ قدیم

ترا چنانکہ توئی چون توان ستایش کرد
چہ آید از اسد اللہ خان بجز تسلیم

بیت : ۱ - 'ویسرای' سے مراد لارڈ کیننگ (Canning) ہے ، جس کی عہدہ داری ۱۸۵۶ع سے ۱۸۶۲ع تک رہی - انقلاب ۱۸۵۷ع کے بعد پہلا وائسرائے یہی ہے - یہ اس سے پہلے گورنر جنرل تھا -
'الف دال... بعد از شین' یعنی شاد ، 'الف نون... بعد از جیم ، یعنی جان -

۵

بزمِ نوابِ جم حشم مکلوڈ
بوستانے ست پر ز نعمت و ناز

اندران بزم‌گاه گسترده
اطلسِ چرخ جایِ پاانداز

درِ فیضش بسانِ آئینه
مانده همواره بر رخِ همه باز

سوده از بهرِ سرفرازیِ خویش
سروران بردرش جبینِ نیاز

ما همه بندگانِ فرمان بر
او خداوندگارِ بنده نواز

آمدم تا به پیشِ وے نالم
از جفایِ زمانهٔ ناساز

از ادب دم نمی توانم زد
باچنین داغهایِ سینه گداز

آلهٔ ساعتم که در شب و روز
ندهد جز به‌وقتِ خویش آواز

چون رسد وقتِ کار سر تا سر
گویم امّا بہ شیوۂ ایجاز

مدحِ بانویِ انگلستان است
بر زبانِ من از زمانِ دراز

اندرین پایہ با منِ مسکین
نیست در ہند ہیچکس انباز

غالبم اسمِ شعر و نامِ من است
اسد اللہ خانِ مدحطراز

بیت : ۱- اس قطعے کا ممدوح ہے - سرڈانلڈمکاوڈ (Sir Donald Mcleod) جو ۱۰ جنوری ۱۹۶۵ء سے صوبہ پنجاب اور صوبہ شمال مغربی کا لفٹننٹ گورنر تھا -
۱۰ : بانوی انگلستان سے مراد کوئن وکٹوریہ (تخت نشینی ۲۰ جون ۱۸۳۷ء) ہے -

٦

فلک مرتبت منگمری بهادر
که در سروری می‌کنی پادشاهی

به بزمِ طرب ماهِ گیتی فروزی
به رزمِ عدو شاهِ انجم سپاهی

به‌دستِ تو مفتاحِ کشور کشائی
به‌فرقِ تو دیهیمِ عالم‌پناهی

هم از رویِ معنی، سلیمان شکوهی
هم از رویِ صورت، فلک بارگاهی

ق

توائے ماهِ تابان به پرتو فشانی
توائے مهرِ رخشان به زرین کلاهی

به‌سویم که نومیدم از چرخ و انجم،
بر آئینه بنگر که آمید گاهی

عجب نیست، پیش از اجل گر بمیرم
که پیوسته غم میکند عمر کاهی

فرو مُرد بختم بہ‌خواب از گرانی
گرو بُرد روزم ز شب در سیاہی

نبودست درہیچ‌ہنگام کارم
بغیر از دعا گوئی و خیرخواہی

درآن دم‌کہ برگشت ہنجار گردون
خرد را نگہداشتم از تباہی

ہمین خوبیِ نظمِ من درستایش
دہد بر وفاداریِ من گواہی

مہین داورا غالبِ خستہ دل را
گنہ نیست جز دعویِ بے گناہی

وگر خود گنہگارم ، امیدوارم
کہ آمرزشم از گورمنٹ خواہی

دمادم فزون باد لطفِ تو برمن
بدانسان کہ بر تست فضلِ الٰہی

بیت : ۱ : منٹگمری یعنی سر رابرٹ منٹگمری (Sir Robert Montgomery) لفٹننٹ گورنر صوبہ پنجاب -

یہ قطعہ غالب نے سر رابرٹ کو ۱۸٦۳ء میں ۱۷ ستمبر اور ۱٦ نومبر کے درمیان بھیجا ہوگا - دیکھیں تحقیق نامہ ، ص ۳٦ -

۷

در آخرِ دسمبر و آغازِ جنوری
سالِ نوست و روزِ کلان روزگار را

از من ہزارگونہ نیایش قبول باد
کشور خدیوِ نامورِ نامدار را

یا رب ، زروی عینِ عنایت نگاہدار
جم رتبہ منٹگمریِ والا تبار را

یا رب ، بہروزنامۂ عمرِ عزیزِ او
این یکہزاروہشت‌صدوشصت‌وچار را

ہم بہروے خجستگیِ بے شمار بخش
ہم بربقایِ وے بفزا این شمار را

نشگفت گر دہند دبیرانِ دفترش
توقیعِ لطفِ غالبِ امیدوار را

یہ قطعہ سر رابرٹ منٹگمری کو ۱۰ جنوری ۱۸۶۵ء سے بہت پہلے ، بلکہ یکم جنوری سے پہلے بھیجا گیا ہو گا ۔ دیکھیں سابقہ قطعہ اور متعلقہ حاشیہ ۔

۸

نو روز و مهرگان نبود در طریقِ ما
امّا شکفته روئی گلهای تر خوش است

نو روز عید نیست، بهارست و در بهار
آئینِ شادمانی و ذوقِ نظر خوش است

از باد زمهریر به گیتی نشان نماند
جوشِ گل و نشاطِ نسیمِ سحر خوش است

بویش صنم‌پرور و رنگش نظرفروز
خوش باد وقتِ گل که جهان سربسر خوش است

از رنگ‌رنگ طره و از گونه گونه گل
گلزار و شهر و بیشه و کوه و کمر خوش است

دریا خوش و سراب خوش و کوهسار خوش
منزل خوش‌است وتوشه‌خوش‌است‌وسفرخوش‌است

اینها خوش است و بهر تو آورده روزگار
هم بهرِ تست هرچه ازین بیشتر خوش است

از حسنِ التفاتِ ولیعهد و پادشاه
با ما جمالِ فتح و کمالِ ظفر خوش است

از بہر آنکہ برسر ما سایہ گسترد
فرزانہ پادشاہِ کیومرث‌فر خوش است

وز بہر آنکہ ظلمتِ بدعت زما بَرد
سلطانِ حق پرستِ حقیقت نگر خوش است

امسال و سالِ دیگر و دیگر ہزار سال
در شادی‌وخوشی ہمہ با ہمدگرخوش است

برخور ز روزگار کہ ما از تو بر خوریم
خوش‌باش کز تو غالبِ آشفتہ سرخوش است

بیت:۸ - ولی عہد سے مراد شہزادہ فتح الملک مرزا فخرو اور بادشاہ سے مراد بہادر شاہ ظفر ہیں - دوسرے مصرعے میں الفاظ 'فتح' اور 'ظفر' اسی رعایت سے آئے ہیں -

یہ قطعہ ۱۸۵۲ء اور ۱۸۵۶ء کے درمیان کی تصنیف ہے - پہلا سال مرزا فخرو کی ولی عہدی کے سرکاری اعلان کا ہے اور دوسرا سال ان کی وفات کا -

۹

دگر در سرستم کہ از روی مستی
شرابے بہ ساقیِ کوثر فرستم

بہ پہنایِ فردوس سنبل فشانم
بہ گردونِ گردندہ اختر فرستم

بہ استاد منشورِ معنی نویسم
بہ جمشید اورنگ و افسر فرستم

بہ رخسارۂ مہر گلگونہ بخشم
بہ گنجینۂ شاہ گوہر فرستم

بہانا بر آنم کہ اشعارِ خود را
بہ مرزا خدا بخشِ قیصر فرستم

بیت : ۵ : مرزا خدا بخش متخلص بہ قیصر شاہ عالم ثانی کے نواسے تھے اور فن سخن میں مومن کے شاگرد۔
یہ قطعہ مومن کے سال وفات ۱۸۵۲ء کے بعد کا معلوم ہوتا ہے۔

۱۰

جان عزیز است و اہلِ عزت را
عزت از جان عزیزتر باشد

خود بفرما ، چسان تواند زیست
ہر کرا ہر دو در خطر باشد

یہ قطعہ ممکن ہے غالب کے واقعۂ اسیری کے زمانے کا ہو ۔

۱۱

ترا اے آفتابِ عالم افروز
پس از نو روز سالِ نو مبارک

گرہ بعد از گرہ در رشتۂ عمر
مسلسل تا ابد بشنو مبارک

نظام الدینِ وقتی در طریقت
بہ غالب پایۂ خسرو مبارک

یہ قطعہ بہادر شاہ ظفر کی کسی سالگرہ کے موقعے پر کہا گیا ہوگا۔

۱۲

میر سعادت علی کرد در اجمیر طرح
مسجد و چاہے کہ ہست چشمۂ آبِ بقا

آنکہ ز باقر علی تا بہ علی میرسد
حلقہ بہ‌حلقہ بہم سلسلہ‌اش ، مرحبا

ساختہ شد چون مکان ، کرد بدل اجرِ آن
از رہِ صدق و صفا نذرِ رسولِ خدا

از پیِ این سالِ نیک گفت ہمایون سروش
’چشمۂ زمزم صفت‘ ’مسجدِ کعبہ بنا‘

بیت : ۱ : میر سعادت علی دہلی کے باشندے اور سید باقر علی کے بیٹے تھے -

میر سعادت علی نے اجمیر میں ایک مسجد اور اس سے متصل ایک کنواں ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۲ء میں بنوایا تھا - یہ سال قطعے کے آخری مصرعے کی دونوں ترکیبوں کے مجموعے اعداد سے حاصل ہوتا ہے -

اجمیر میں یہ مسجد اور اُس کے ساتھ کا کنواں اب بھی اچھی حالت میں ہے - مسجد کے دروازے کا حالیہ عکس جس میں سردر بر اس قطعے کا کتبہ صاف پڑھا جاتا ہے مجھے مخدومی جناب سلم‌الحق حقی صاحب دہلوی (ریٹائرڈ پی-ایم-جی) کی کوشش و نوازش سے حاصل ہوا - موصوف نے ہمارے لیے میر سعادت علی کے بارے میں مختصر سوانحی یادداشت بھی فراہم فرمائی ، جو تعلیقات میں درج ہے -

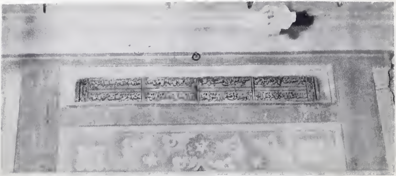

مسجد سرا (اجمیر شریف) کی محراب جس پر غالب کے قطعۂ تاریخ کا کتبہ نصب ہے
(دیکھیں قطعہ ۱۲)

۱۳

با خرد گفتم شہ فرزانہ ، فتح الملک را
خود چہ گویم ، گفت فخرِ دودۂ آدم بگو

گفتم او را نونہالے رستہ در باغِ مراد
گفت کش سروِ روانِ گلشنِ عالم بگو

گفتم از خوبی رخش مانا بہ خورشید است، گفت
سالِ این فرخ ولادت ، نیرِ اعظم بگو

گفتمش دیگر چہ گویی، زیر لب خندید و گفت
بای زاید باید افگند از 'بگو، اینہم بگو

یہ قطعہ مرزا فخرو کے فرزند مرزا خورشید کی تاریخ ولادت کا ہے ۔ یہ مرزا فخرو کی تیسری بیگم کے بطن سے تھے جن کا نام وزیر بیگم ، عرف چھوٹی بیگم اور خطاب شوکت محل تھا ۔

شاہزادہ خورشید عالم کی ولادت اس قطعے کے مادۂ تاریخ کے مطابق ۱۲۶۹ھ مطابق ۵۳-۱۸۵۲ء میں ہوئی ۔ 'نیر اعظم' کے اعداد '۱۲۷۱' ہیں جن میں سے حرف 'ب' کے دو عدد اگلے شعر کے مطابق خارج کر کے '۱۲۶۹' حاصل ہوتے ہیں ۔

بیت: ۴ : اس تخرجے میں سقم یا کم سے کم ابہام ضرور ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حرف 'ب' کے تخرجے کے بعد 'گو' کے '۲۶' عدد 'نیر اعظم' کے اعداد '۱۲۷۱' میں جوڑے جائیں گے ، لیکن ایسا نہیں ہے ۔ 'نیر اعظم' کے اعداد سے 'ب' کے اعداد کا تخرجہ ہے ۔

۱۴

نہادہ بنا احسن اللہ خان
سرِ رہ بدانسان درِ دلکشا

کہ غالب پیِ سالِ تعمیرِ او
رقم زد درِ دلکشا ، مرحبا

---

۱ : احسن اللہ خان یعنی حکیم احسن اللہ خان دہلوی ۔ "در دلکشا ، سے مراد حکیم صاحب کا بنوایا ہوا دروازہ ہے ، جس کی تعمیر ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۳-۵۴ء میں ہوئی ۔ یہ دروازہ دہلی میں اس سڑک پر ہے جو حوض قاضی سے لال کنوئیں اور مسجد فتح پور کی طرف جاتی ہے اور اس مکان کا دروازہ ہے ، جو حویلی بدل بیگ خان کا ایک حصہ تھا ، جسے بعد میں حکیم صاحب نے خرید لیا تھا ۔

۱۵

تاریخِ وفاتِ ذوق ، غالب
با خاطرِ دردمند و مایوس

خون شد دلِ زار تا نوشتم
'خاقانیِ ہند مرد افسوس'

خاقانی ہند ملک الشعرأ شیخ محمد ابراہیم ذوق دہلوی (متولد ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۸۹ء) کی تاریخ وفات شب چہار شنبہ ۲۴ صفر ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۸۵۵ء ہے

بیت : ۲ : مادہ تاریخ 'دل زار' یعنی الف کے ایک عدد کا تخرجہ ہے ، جس سے '۱۲۷۱' سال وفات حاصل ہوتا ہے -

١٦

با خرد گفتم ، ار تو فرمائی
شویم از دل خیالِ بادۂ ناب

گفت صد آفرین ، ولے نتوان
شستنِ این خیال جز بشراب

اس قطعے کا مضمون عربی کے ان مشہور اشعار سے اختراع کیا گیا ہے :

وکاس شربت علی لذۃ
و اخریٰ تداویت منها بها (الاعشی)
دع عنک لومی فان اللوم اغراء
و داونی بالتی کانت ہی الداء (ابونواس)

۱۷

گیرکہ در روزِ حشر چون تو بیفتی
بر سرِ دوزخ نہند تیرہ‌نہنبن

دان کہ نباشد در آن مضیقِ مصیبت
درطلبِ نان و جامہ کشمکش‌از زن

دان‌کہ نباشد در آن مقامِ صعوبت
شورِ تقاضای ناروای مہاجن

۱ : 'نہنبن' متقدمین کی فارسی کا لفظ ہے ، جس کے معنی ہیں 'سرپوش' ۔ یہ لفظ عام زبان میں صدیوں سے متروک رہا ہے ، لیکن شعر و سخن کی زبان میں ، خاص طور سے خراسانی اسلوب کی شاعری میں ، اس کا استعمال برابر ملتا ہے ۔ غالب کا یہ قطعہ خاص خراسانی اسلوب میں ہے ، دوسرے قطعات بھی زیادہ تر اسی اسلوب میں ہیں ۔

۱۸

بہمن ز مقدمِ فرزندِ میرزا باقر
سروش تہنیتِ زبدۂ مطالب گفت

چو قصد شد متعلق بہ گفتنِ تاریخ
طریقِ تعمیہ ورزیدو جانِ غالب گفت

بیت: ۱: میرزا باقر سے مراد باقر علی خاں کامل ہیں، زین العابدین خاں عارف کے بڑے بیٹے، جن کا انتقال یکم جمادی الاولی ۱۲۹۳ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۸۷۶ء کو ہوا - فرزند سے مراد ان کی بڑی بیٹی محمد سلطان بیگم عرف جندو بیگم ہیں جن کی شادی نواب شجاع الدین احمد خاں تاباں سے ہوئی تھی - فارسی میں فرزند پسر و دختر دونوں کے لیے آتا ہے -

۲: جان غالب، کے اعداد '۱۰۸۷' میں 'قصدہ' کے اعداد '۱۹۴' کا تعمیہ ہے، جس سے محمد سلطان بیگم کی ولادت کا سال ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۴-۶۵ء حاصل ہوتا ہے - میرزا باقرعلی کی شادی بہت کم سنی میں ہو گئی تھی -

۱۹

صبحدم با ابوالبشر گفتم
پارهٔ زر بده که زر داری

حیف باشد که از چومن‌پسرے
خاکِ رنگین عزیز تر داری

گفت‌حیف است ازتوخواهشِ زر
که تو گنجینهٔ گهر داری

گنجدانِ سخن حوالهٔ تست
خود ببین تاچه اے پسرداری

پیشِ من زر کجاست جانِ پدر
بہری ہر چہ در نظر داری

گفتم ، اینک بہ بندِ پیمانی
زر بمن می دہی ، اگر داری

سر زنبیلِ آن عمر عیّار
کہ ز عیّاریش خبر داری

بکُشا زود و زر بریز و بگوی
کہ ہمین مدعا مگر داری

گفت بابا فسانۂ بودست
چہ فروریزم و چہ برداری

یہ قطعہ، جو مئی ۱۸۵۴ء میں کہا گیا (اردوئے معلّی 'حصہ اول' ص ۳۲۱)، اس اسلوب بیان کا خاصا کامیاب نمونہ ہے، جسے ملک الشعراء بہار نے سبک ترکستانی اور سبک خراسانی کا نام دیا ہے۔

۲۰

خواندی بہ نوبہار مرا جانبِ چمن
زین برگ ہایِ سبز چہ گرد آورم نوا

گفتی گل است ، کہ زرِ گل را توان فروخت
گفتی ہوا ست ، گنج نمی بارد از ہوا

گفتی میست ، می لکند جوع را علاج
گفتی غنا غنی ، نتوان شد بدین غنا

گفتی بتان سیمتن و گوہرین پرند
طاؤس وار جلوہ طراز ند جا بجا

آن روی و موی و سینہ و ساعد از آنِ تو
پیرایہ ہرچہ از گہر و زر بود مرا

اس قطعے میں زندگی کی واقعیت اور جمالیات کا تصادم جو مزاح کے انداز میں ہے جدید شاعر کے احساسات سے بہت قریب نظر آتا ہے :

جب جیب میں پیسے بجتے ہیں جب پیٹ میں روٹی ہوتی ہے
اس وقت یہ سبزہ ہیرا ہے اُس وقت یہ شبنم موتی ہے
(جذبی)

۲۱

روزے ز رہِ ستم‌ظریفی
بر لاشۂ جعفرِ چہارم

در خواہشِ پاسخِ سوالات
صد بار فغان زدم کہ قم قم

از زیست نیافتم نشانے
جز یک دو سہ بارہ جنبشِ دم

از دیدنِ این شگرف روداد
گشتند بہ‌عرصہ جمع مردم

زان زمرہ یکے بہ‌من رخ آورد
کاے کردہ طریقۂ خرد گم

این پیکرِ خاص را بہ طنبور
ابتہ روا بود ترنّم

جزجنبشِ گوش و دُم چہ خواہی
از جعفرِ چارمین تکلّم

ور بانگ زند ، حذر کہ جمہور
دانند نہق را بسے شُم

این گونہ کسان چہ آفرینی
اے خالقِ آسمان و انجم

یہ جعفر غالب کے اس جملے کا 'جعفر بیگ' معلوم ہوتا ہے ، ''کدار ناتھ ڈیوڑھی پر آ کر جعفر بیگ ، وفادار وغیرہ کی تنخواہ بانٹ گیا یا نہیں'' (اردوئے معلی ، حصہ اول ، ص ۱۷۷ ، خطوط ، مہر ، صفحہ ۳۸۳) - کسی موقع پر ممکن ہے ڈیوڑھی میں پڑا غافل سو رہا ہو اور غالب پکار پکار کر تھک گئے ہوں - یہ غالب کا ملازم تھا - اس ہجو میں طعن و تشنیع نہیں ، ایک خوش طبعی اور مزاح ہے -

۲۲

گفتم به خرد به خلوتِ اُنس
کای شمع و چراغِ هفتِ ایوان

آیا ز چه رو بود که نواب
ننوشت جوابِ نامه ام ، هان

آن گونه عریضهٔ که دانی
درویش نوشته سویِ سلطان

آن گونه قصیدهٔ که گوئی
از صفحه دمیده سنبلستان

این هر دو رسید و نیست پیدا
زانسو اثرے بهیچ‌عنوان

رنجید مگر ز مدح نواب
اے کاش نگشتمے ثناخوان

هیهات چه گفته ام که باشم
از گفتهٔ خویشتن پشیمان

عقلم در خواب گفت غالب
زنهار مخور فریبِ شیطان

نواب بهفکرِ ارمغانست
تا نامه فرستدت بسامان

وانها که بهخاطرش گذشتست
زود آن همه جمع کرد نتوان

زود است که جمع نیز گردد
دیر است که داده است فرمان

تا راهروانِ بحروبر گرد
آرند بهکوششِ فراوان

دیبا ز دمشق و مخمل از روم
الماس ز معدن و زر ازکان

فیل از دکن و زمرّد از کوه
توسن ز عراق و دُر ز عمان

فیروزهٔ نغز از نشاپور
یاقوتِ گُزیده از بدخشان

جمازهٔ تیزرو ز بغداد
شمشیرِ برنده از صفاهان

پشمینهٔ قیمتی ز کشمیر
زربفتِ گرانبها ز ایران

بالجمله درنگ چون‌ازین روست
بر رنج و ملال نیست برهان

چون پیرِ خرد به دل‌فریبی
گفت این همه رازهای پنهان

گشتم به دمِ امید واری
مرهم نه زخمِ یأس و حرمان

گفتم که چو بامن این کرم کرد
آن قبله و قبله‌گاهِ اعیان

ناچار ز راهِ حق‌گزاری
تا کرده شود تلافیِ آن

من نیز طلب کنم برایش
این خواهش اگرچه نیست آسان

آئینه و تاج از سکندر
انگشتر و تخت از سلیمان

از عالمِ غیب جامِ جمشید
از چشمۂ خضر[۲] آبِ حیوان

عمرِ ابد و نشاطِ جاوید
نیروی دل و ثباتِ ایمان

توفیقِ جوابِ نامۂ خویش
توقیعِ عطا و بذل و احسان

---

۲ : نواب سے مراد نواب وزیر الدولہ وزیر محمد خاں والی ٹونک ہیں ۔

غالب نے نواب وزیر الدولہ کی مدح میں ایک قصیدہ (ای ذات تو جامع صفِ عدل و کرم را) گذرانا تھا اور اس کے ساتھ ایک عرضداشت بھی تھی ۔ قصیدے کے صلے اور عرضداشت کے جواب میں بہت زیادہ تاخیر ہونے پر (دیکھیں خط : ۳ بنام تفضل حسین خاں خیر آبادی ، تحقیق نامہ ، صفحہ ۵۲) غالب نے یہ قطعہ کہہ کر بھیجا تھا ۔ جس خط کا حوالہ دیا گیا ہے ، اس کی تاریخ تحریر غالب نے یکم ربیع اول ۱۲۶۱ھ درج کی ہے ، جس کی مطابقت ۱۰ مارچ ۱۸۴۵ء سے ہوتی ہے ۔ دیکھیں 'تعلیقات' نیز تحقیق نامہ ، ص ۱۳۶ ۔

اس قطعے کو جو حالی کے الفاظ میں ''بطور تقاضے کے'' (یادگار ، صفحہ ۷۰) کہہ کر بھیجا گیا ''حسن طلب'' کا (جیسا کہ جناب غلام رسول مہر نے بجا طور پر کہا ہے (غالب ، صفحہ ۲۲۶) نہ کہ ہجو کا ، اچھوتا اور موثر انداز سمجھنا چاہیے ۔ حالی نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس قطعے کو ''مشکل سے ہجو ملیح کہا جا سکتا ہے'' (یادگار ، صفحہ ۷۰) ۔

۲۳

ہزار و دو صد و ہشتاد و دو شمار کنید
بحسبِ ضابطہ از ہجرتِ رسول‌اللہؐ

چہار شنبہ آخر بود زماہِ صفر
کہ می در آورم این قطعہ را بہ نظم پگاہ

سفیدۂ سحری کاغذ است و منِ راقم
سوادِ صفحہ‌نمط روی بدسگال سیاہ

ہمی نویسم و وقتِ نوشتنم باشد
دلے ز بیم لبالب چو لب ز عذرِ گناہ

خدا کند کہ مشرف شود چو این قرطاس
بہ پیشِ مسندِ عالی ز بندۂ‌درگاہ

امیر کلب علی خان بہادر از رہِ لطف
بہ‌سویِ غالبِ خونین جگر کنند نگاہ

کہ این فلک‌زدہ گر عرض کرد مصلحتے
بزعمِ بندہ ز اخلاص بود، ور ناگاہ

خلافِ طبعِ مبارک فتادہ آن تقریر
بسے خطا رود از بندگانِ دولت‌خواہ

تو پادشاہ و شہنشاہ تاجدار فرنگ
خطاب می طلبد پادشہ ز شاہنشاہ

چو رأی من نپذیری ز جرم من بگذر
بحق اشہد ان لاالہ الا اللہ

بیت:۱، ۲ : یہ قطعہ ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۵ء میں ماہ صفر کے آخری چہار شبے کو نظم کیا گیا تھا جیسا کہ غالب نے ان ابیات میں خود بتایا ہے۔ یہ صفر کی چھبیسویں اور جولائی کی انیسویں تاریخ تھی۔

۶ : امیر کلب علی خاں بہادر یعنی نواب صاحب رام پور۔

غالب نے ۱۸ جون ۱۸۶۵ء کے مکتوب کے ضمن میں نواب صاحب کو لکھا تھا ''پیر و مرشد ! از راہ خیر خواہی ایک امر عرض کرتا ہوں۔ محمد علی خاں ابن وزیر محمد خاں رئیس ٹونک نے بعد مسند نشینی گورنمنٹ کو ''یمین الدولہ'' اور دو جزو ''ملک اور جنگ'' لکھ کر دیے، اور وہاں سے وہ اونکو عطا ہوئے۔ حضور کے اجداد امجاد نے سلاطین بابریہ کا خطاب نہ قبول کیا، مگر حضرت کے جد امجد کو احمد شاہ درانی نے مخاطب بہ ''مخلص الدولہ'' فرمایا۔ حضرت اگر مناسب جانیں، تو اوس خطاب کو مع دو جزو ''شمس الملک و بہوام جنگ'' جناب ملکۂ معظمہ سے بذریعہ گورنمنٹ اپنے واسطے لیں۔'' (مکاتیب صفحہ ۵۴)۔

غالب کا یہ قطعہ اس سلسلے میں منظوم اعتذارنامہ ہے، جو انہوں نے نواب کے اِس ۱۵ جولائی (۱۸۶۵ء) کے مکتوب کے موصول ہونے پر ۱۹ جولائی کو نظم کر کے بھیجا۔

۹ : تاجدار فرنگ سے مراد ہے کوئن وکٹوریا۔

۲۴

خجستہ جشنِ دبستان نشینیِ بیگم
بفیضِ ہمتِ نواب و یمنِ اقبالش

چو از پیِ ادب آموزی‌است، خوش باشد
اگر 'خجستہ بہارِ ادب' بود سالش

بیت : ۲ - بیگم سے مراد نواب میر غلام بابا خاں رئیس سورت کی صاحبزادی ہیں جن کی بسم‌اللہ ۱۱۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں ٦ رجب مطابق ۱۴ نومبر سے کچھ پہلے ہوئی تھی ، غالباً جمادی الثانی کی آخری تاریخوں میں (دیکھیں غالب کا خط ، بنام میر غلام بابا خاں ، خطوط ، مہر ، صفحہ ۴۱٦ ، اردوئے معلّی ، حصہ اول ، صفحہ ۸) ۔

۲ : 'خجستہ بہار ادب ، کے اعداد '۱۲۸۳' ہیں ۔ اس قطعے سے متعلق محولہ خط میں غالب نے لکھا ہے "خط لکھتے لکھتے خیال میں آیا کہ سید صاحب کی ولادت کی تاریخ لکھی ، سیدانی صاحبہ کی بسم اللہ کی تاریخ بھی لکھا چاہیے ۔ مادہ "خجستہ بہار" ذہن میں آیا ۔ سات عدد کم پائے "خجستہ بہار" پر "ادب" کے اعداد بڑھائے ، شمار میں ۱۲۸۳ نظر آئے ۔ دوسرے ورق پر وہ قطعہ مرقوم ہے "۔

چو نواب از بہر اجلاسِ کونسل
بہ کلکتہ از رامپور آوَرد رخ

عدو را بگیر و بکش زود وے را
بجو سالِ اجلاس از "بختِ فرخ"

چو گویند کز کشتنِ وے چہ خواہی
بگو رفعِ اعدادِ "وے" اینت پاسخ

۱۸۶۶ع

بیت: ۱ : نواب سے مراد نواب رام پور سید کلب علی خاں بہادر اور کونسل سے مراد ہے لیجسلیٹو کونسل جس کے اجلاس اس زمانے میں کلکتے میں ہوتے تھے -

رام پور سے نواب صاحب بتاریخ ۲۰ شعبان ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۸ دسمبر ۱۸۶۶ع کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لیے کلکتے روانہ ہوئے تھے - گاڑی کی ڈاک میں رام پور سے علی گڑھ اور وہاں سے ریل سے کلکتے گئے تھے - (اخبار الصنادید ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۴۰) -

۲ ، ۳ : یہ قطعہ غالب نے نواب صاحب کو اپنے ۱۸ نومبر ۱۸۶۶ع کے مکتوب کے ساتھ بھیجا تھا اور اجازت چاہی تھی کہ اگر یہ قطعہ پسند آئے تو کسی اخبار میں چھپوا دیا جائے (دیکھیں مکتوب (۷۳) ، مکاتیب ، صفحہ ۸۵) - اس مکتوب میں غالب نے لفظ اینت اور مادہ تاریخ کے بارے میں لکھا ہے "اینت لغت پارسی ہے ، مرادف خہے و زہے ، اور قتل کا مشار الیہ لفظ (وی) ہے جس کے ۱۶ عدد ہیں ، اور (وی) کا مشار (عدو) ہے - "بخت فرخ": کے ۱۸۸۲ع - جب اس میں سے ۱۶ کم کیے تو ۱۸۶۶ رہے -"

۲۶

مولوی **احمد علی احمد** تخلص نسخهٔ
در خصوص گفتگوی پارس انشا کرده است

کیچ و مُکران راکه در سند است و از **ایران** جدا
شاملِ اقلیمِ **ایران** بے محابا کرده است

قوم برُلچ را به ایرانی‌نژادان داده خلط
ترک تُرکانِ سمرقند و **بخارا** کرده است

در جهان توأم بود روی وی و پشتِ **قتیل**
پیشوای خویش ہندوزادهٔ را کرده است

ہندیان را در زباندانی مسلّم داشته
تا چه اندر خاطرِ والای او جا کرده است

خوش برآمد باہمه ہندوستان‌زایان ، چه خوش
تکیه آرے بر ولادتگاہِ آبا کرده است

ہر که بینی با زبانِ مولدِ خود آشناست
سازِ نطقِ موطنِ اجداد بیجا کرده است

خواجه را از **اصفہانی** بودنِ آبا چه سود
خالقش در کشورِ **بنگاله** پیدا کرده است

با قتیل و جامعِ ربانی و لالہ ٹیکچند
لابہ و سوگیری و لطف و مدارا کردہ است

داورئ‌گاہے بنا فرمود ، در وے ہر سہ را
منصف و صدر امین و صدرِ اعلی کردہ است

گر چنین با ہندیان دارد تولّا در سخن
من ہم از ہندم چرا از من تبرّا کردہ است

کردہ است از خوبیِ گفتار من قطعِ نظر
ظلم زین قطعِ نظر بر چشمِ بینا کردہ است

میل او باہرکسے از ہند و حیفش خاصِ من
حیف و میلےبا دو عالم شور و غوغا کردہ است

مطلب از بدگفتنِ من چیست ، گوئی نیکمرد
مُزدِ این کار از حق آمرزش تمنّا کردہ است

ور چنین نبود ، چنان باشد کہ در عرضِ کمال
تا بر آرد نام ، این ہنگامہ برپا کردہ است

صاحبِ علم و ادب وانگہ ز افراطِ غضب
چون سفیہان دفترِ نفرین و ذم وا کردہ است

در جدل دشنام کارِ سوقیان باشد ، بلے
ننگ دارد علم از کارے کہ آغا کردہ است

انتقامِ جامعِ برہانِ قاطع می کشد
آنچه ما کردیم باوے ، خواجه با ما کرده است

من سپاہی‌زاده‌ام گفتارِ من باید درشت
وای بروے گر به تقلیدِ من اینها کرده است

زشت گفتم ، لیک دادِ بذله سنجی داده ام
شوخیِ طبعے که دارم این تقاضا کرده است

میکند تائیدِ برہان ، لیک برہان نا پدید
نیست جز تسلیمِ قولش ہر چه انشا کرده است

سستیِ طرزِ خرامِ خامهٔ برہان‌نگار
یا نمی دانست یا دانسته اخفا کرده است

بہرِ من توہین و بہرِ خویش تحسین جا بجا
ہم مرا ہم خویش را در دہر رسوا کرده است

آید و بیند ہمان اندر کتابِ مولوی
ہرچه از ہنگامه‌گیران کس تماشا کرده است

لغو و حشو و ادعایِ محض و اطنابِ مُمِل
مار و موش و سوسمار و گربه یکجا کرده است

بگذر از معنی ہمین الفاظِ برہم بسته بین
باده نبوَد ، شیشه و ساغر مہیا کرده است

یافتم از دیدنِ تاریخہای آن کتاب
خود بدم گفت و بہ احبابِ خود ایما کردہ است

غازیان ہمراہِ خویش آوردہ از بہرِ جہاد
تا نپنداری کہ این پیکار تنہا کردہ است

جوش زد از غایتِ قہر و غضب خون در داش
تا زبانش را بدین کلپترہ گویا کردہ است

آتشِ خشمی کہ سوزد صاحبِ خود را نخست
در دلش ہمچون شرر در سنگ مأوا کردہ است

چون نباشد باعث تشنیع جز رشک و حسد
باد غالب خستہ تر، گر خستہ پروا کردہ است

اس قطعے کے مشارالیہ کلکتے کے آغا مولوی احمد علی متخلص بہ احمد ہیں ، جنھوں نے غالب کی 'قاطع برہان' کے جواب میں 'مؤید برہان' لکھی تھی -

بیت نمبر ۸۵ میں نسخے سے مراد یہی 'مؤید برہان' ہے ، جو آغا احمد علی احمد نے غالب کی 'قاطع برہان' (اشاعت ۱۸۶۱ع) کی رد اور 'برہان قاطع' (تالیف محمد حسین برہان ابن خلف تبریزی) کی تائید و حمایت میں ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۵ع میں مطبع مظہر العجائب کلکتہ میں چھپوا کر شائع کی تھی - یہ کتاب جو ۴۷۵ صفحات پر مشتمل ہے ، مؤلف نے ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ع میں لکھی تھی -

۲۷

بحقِ بادہ چنین حکم داد حاکمِ وقت
کہ نے برند ز شہر و نیاورند بشہر

بیا بشام و بیاشام و سوئ خانہ خرام
فقیر لایقِ لطف است، نے فرا خورِ قہر

اس قطعے کے پس منظر کے لیے دیکھیں تحقیق نامہ ، صفحہ ۱۶۳-

۲۸

امروز شنیده ام که از مهر
تقصیرِ پسر معاف کردی

در جلد وی این چنین نکوئی
جان نذر کنم که نیکمردی

ہماری نظر میں اس قطعے کے مخاطب نواب امین الدین احمد خان ہیں ، جو جون ۱۸٦۷ع میں اپنے فرزند علاءالدین احمد خان علائی سے کچھ خفا تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں تحقیق نامہ ، صفحہ ۱٦۲ -

۲۹

از دوست بهرِ بنده زهے شیشهٔ پُری مے
از بنده سویِ دوست بهرشیشه یک سلام

مے هم فزون و هم به اثر زندگی‌فزای
آن عمرِ جاودان که خود اسمش بود مدام

دارم یقین که عمرِ من و این شرابِ ناب
تا روزِ رستخیز نخواهد شدن تمام

ماناد دوستے که فرستاده آبِ خضر[۴]
از بهرِ تفته جان اسد اللهِ تشنه کام

آن دوست کش بقوتِ اقبالِ بے زوال
از مهر و مه سلام رسانند صبح و شام

آن دوست کش بود بتقاضایِ فرِ بخت
زینت فزایِ ناصیهٔ آفتاب نام

سلطان شکوه مسٹر الگزنڈر اسکنر
آن آسمانِ عزّ و شرف را مهِ تمام

از نامِ اوست جانِ ستم‌دیده را نشاط
در مدحِ اوست کلکِ هنر پیشه را خرام

از روی لطف چون دوسہ سطرے رقم زند
دانی کہ ماہتاب درخشید از غمام

در وقتِ قہر از دہنش حرف چون جہد
گوئی کہ تیغِ تیز برون آمد از نیام

جم رتبہ صاحبا، نفسے سوی من گرای
تا یابم از تو دادِ نوآئینیِ کلام

مے سازگارِ طبع ، ولے دستگاہ کو
ہر روز شغلِ بادہ بود عادتِ کرام

خواہم کہ تا ز مرگ امانم بود بدہر
تہ جرعہ نوشِ جامِ تو باشم علی الدوام

بیت : ۲ : الگزینڈراسکنر (Alexander Skinner) عوام میں سکندر صاحب کہلاتے تھے اور دلی میں ان کا خاندان 'الک صاحب والوں' کے نام سے مشہور تھا - ان کی کوٹھی جو ان کے والد کرنل جیمس اسکنر (Col. James Skinner C.B.) نے بنوائی تھی گندے نالے کے محلے میں اندرون کشمیری دروازہ دہلی واقع تھی اسی کشمیری دروازے کے مقابل اور متصل جیمس اسکنر کا بنوایا ہوا گرجا (St. James' Church) واقع ہے جس کا احاطہ ان کا خاندانی قبرستان ہے، جو 'خاندان اسکنر کی ہڑواڑ' کہلاتا ہے۔
(جاری)

چو حدِ نطقِ من اینست در مکارمِ مدح
بہ آنکہ صرف شود حرف در سپاسِ عطا

زہے عطایِ گرانمایہؑ گرامی‌قدر
کہ سود تارکِ من از شرف بہ اوجِ سما

توان فگند بہ گیتی بنایِ ہشت بہشت
ز ہفت پارچہ کان ہر یکے ست بیش بہا

ز ہفت جزو چسان ہشت جزو برسازند
مگر بہ میمنتِ فرطِ خوبیِ اجزا

حمایلِ گہر و جیغہ و دگر سرپیچ
چو روشنانِ فلک با فروغ داد ضیا

بود مشاہدۂ مہر و ماہ و کاہکشان
شگفت بین کہ بیینند مہر و مہ یکجا

---

۱ : 'نواب' ، ۱۵ : 'دارای دہلی و پنجاب' : سر رابرٹ منٹگمری (Sir Robert Montgomery) لفٹننٹ گورنر پنجاب مراد ہیں، جنھوں نے اپنے قیامِ دہلی کے موقع پر سہ شنبہ ، ۳ مارچ ۱۸۶۳ع کو غالب کو بلا کر خلعتِ ہفت‌پارچہ دیا ۔ اس سے تقریباً دو ہفتے پہلے لفٹننٹ گورنر نے خلعت اور دربار کی بحالی کا حکم صادر کیا تھا ۔ غدر کے بعد سے غالب کے لیے یہ دونوں اعزاز موقوف تھے ۔ (جاری)

جو بے طلب بہ من اینہا رسیدہ است ، بود
ز بہر مطلب خویشم توقع امضا

توقع آنکہ یکے سارٹی فکٹ یابم
ز پیشگاہ عنایات والی والا

سپہر مرتبہ دارای دہلی و پنجاب
کہ پرچم علم اوست آسمان فرسا

بہ سربلندی من عالمے نظر دارد
ازانکہ بہرہ ور شد بلند دست دعا

حساب وسعت ملک تو باد روز افزون
شمار مدت عمر تو باد لا تحصلی

سر رابرٹ نے غالب کو خلعت دیتے ہوئے یہ خوسخبری بھی دی کہ گورنر جنرل کی طرف سے بھی ان کے لیے خلعت اور دربار کھل گیا ہے ۔ اس مضمون کے لیے دیکھیں : خطوط مہر ، صفحہ ۳۱۳ ، خط ۲ ، صفحہ ۳۲۹ ، خط ۸ ، اردوئے معلی ، حصہ اول صفحہ ۱۱۲ و صفحہ ۲۱۳ ، غالب ، مہر ، ۳۲۳ ۔ مکاتیب ، عرشی صفحہ ۲۴ اور متعلقہ حاشیہ ، حواشی صفحہ ۱۳۶ ۔ ذکر غالب ، صفحہ ۹۵ ، نیز منن باغ دو در صفحہ ۱۴۲ ، محقیق نامہ صفحہ ۴۶ و صفحہ ۷۴ اور متعلقہ تعلیقات) ۔

یہ قطعہ ماہ مارچ ۱۸۶۳ع میں تیسری تاریخ کو یا اس کے کچھ بعد کہا گیا ہوگا ۔ اس قطعے کا شعر (۳) غالب کے اس جملے سے ہم آہنگ ہے ''حضرت یہ امر کس اصل پر متفرع ہوا ؟'' (خطوط ، مہر ، صفحہ ۳۲۹ ، خط ۸) ۔

۳۱

الا ای شناسندۂ ہندسہ
نباید کہ موجود فہمی مرا

وجودیست خارج ز من آنچنان
کہ درجدی طا ہست و در حوت یا

مہندس اشارات دارد بسے
نہ در حوت یای و نہ درجدی طا

یہ قطعہ اس زمانے کا معلوم ہوتا ہے جب غالب دہلی سوسائٹی (قائم شدہ ۲۸ جولائی ۱۸۶۵ء) کے رکن تھے - (رسالہ دہلی سوسائٹی شمارہ : ۱ ، صفحہ ۱) - غالب ۱۱ ماہ اگست ۱۸۶۵ء سے آخر عمر تک سوسائٹی کے رکن رہے -

بیت : ۲ : تنجیمی اصطلاحات کے لحاظ سے غالب نے اس مصرعے میں 'یا' غلط استعمال کیا ہے - تفصیل کے لیے دیکھیں مذکورہ تحقیق نامہ ، ص ۱۶۴ -

اس قطعے میں ''شناسندہ ہندسہ'' سے مراد سرسید کے چھوٹے ماموں دبیرالدولہ نواب زین العابدین خاں ہو سکتے ہیں ، جو اپنے والد خواجہ سید فرید الدین احمد دہلی کے بعد دوسرے مشہور ریاضی دان تھے - ۱۸۵۲ء میں مولانا حالی نے انہیں دہلی میں دیکھا ہے (حیات جاوید صفحہ ۸۳) -

۳۲

مفلس اگرش مال نباشد، چہ کم ست ازین
کز ہیچکس اندیشۂ آزار ندارد

بردار و بدو کیسہ، ببَرد دزدِ سیہ دل
با مردِ تہی‌دست سروکار ندارد

لعّاب چسان عرضہ دہد صنعتِ خود را
در خانۂ شطرنج کہ دیوار ندارد

اس قطعے کا بنیادی مضمون وہی ہے ، جو اس فارسی شعر کا ہے ، جو ضرب المثل ہے :

لنگکے زیر و لنگکے بالا
نے غمِ دزد نے غم کالا

غالب نے اس طرح کی بات اپنی ایک اردو غزل کے اس شعر میں بھی کہی ہے :

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا ، دعا دیتا ہوں رہزن کو

غزلیات

۱

اے خداوندِ خردمند و جہان داورِ دانا
وے بہ نیروی خرد بر ہمہ کردار توانا

اے برفتار و بدیدار ز زیبائی و خوبی
سروِ نو خاستہ آما مہِ ناکاستہ مانا

بہ ادا پایہ‌فزایا بہ نظر عقدہ‌کشایا
بہ کرم ابرعطایا ، بہ غضب برق‌سنانا

بہ نگہ خستہ نوازا ، بسخن بذلہ‌طرازا
بہ قلم غالیہ‌سایا ، بہ نفس عطرفشانا

شہ نشان **کلب علیخان** کہ توئی **یوسفِ ثانی**
نبود ثانی و ہمتایِ تو در دہر ہمانا

دانم از حال و مآلم خبرے داشتہ باشی
سرنوشتِ ازلی گرچہ ندارد خطِ خوانا

یہ غزل غالب نے اپنے ۲۹ مارچ ۱۹۶۶ء کے مکتوب کے ساتھ نواب کلب علی خان خلد آشیاں کو بھیجی تھی اور اس مکتوب میں لکھا تھا ''ایک غزل نئی طرز کی ، نئی بحر میں عرض کرتا ہوں یہ جشن حال کی نذر ہے ۔ خدا کرے ، مقبول ہو !'' ۔ اس غزل میں عنصری کے تغزلات کی طرح ممدوح کے اوصاف کا بیان ایسے انداز سے ہے کہ قصیدہ سرائی اور غزل سرائی دونوں کا **(جاری)**

دشمنم چرخ و تو بینی و نسوزی بعتابش
بہ عدو صاعقہ ریزا ، بہ محب فیض رسانا

جانشین توکند نام ترا زندہ بہ گیتی
باد فردوس برین جای تو فردوس مکانا

غالب ازغم چہ خروشی، بتو زیباست خموشی
باکریم ہمہدان ہیچ مگو ہیچمدانا

رنگ جھلکتا ہے ۔ پھر اس میں تنسیق صفات متوازی اور متوازن مخلوط ترکیبات ، خاص طور سے فاعلی سماعی ترکیبات کی صورت میں ہے ۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اس وزن میں غزلیں صرف ایران کے شاعروں کی ملتی ہیں ۔ شاید اسی لیے غالب نے اس غزل کو نئی طرز کی قرار دیا ۔ دربار رام پور میں ایرانی شاعر بھی تھے اور وہ زیادہ تر خراسانی اسلوب شاعری کے پیرو تھے ۔ وہ بھی غالب کے ذہنی مخاطب ہو سکتے ہیں ۔ خراسانی اسلوب کی بعض خصوصیات اس غزل میں موجود ہیں ۔ غالب نے اس غزل کا وزن بھی فعلاتن (چار بار) اس کے عنوان میں درج کیا تھا اور اسے بحر ہزج مثمن سالم قرار دیا تھا ۔ عرشی صاحب نے اپنے حواشی میں اس کی تصحیح کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ دراصل بحر رمل مثمن مخبون ہے ۔ اس ضمن میں موصوف نے شمس‌الدین فقیر دہلوی کے رسالہ وافیہ سے ایک اقتباس نقل کیا ہے ، جس میں اسی وزن کی سعدی کی غزل : 'من ندانستم از اول کہ تو بیمہر و وفائی' کے دو شعروں کا حوالہ آیا ہے ۔ یہ غزل سعدی کے دیوان 'طیبات' کی ہے ۔ سعدی کی غزلیات کے چار دواوین میں اس وزن کی کئی غزلیں ہیں لیکن سجع طرازی کی یہ کیفیت غالب ہی کی غزل میں ہے ۔

۵ : 'یوسف ثانی'——اس لیے کہ نواب یوسف علی خان کے جانشین تھے ۔

۸ : 'فردوس مکان'——نواب یوسف علی خان کا لقب بعدوفات۔

۲

جز دفعِ غم ز بادہ نبودہ ست کامِ ما
گونی چراغِ روزِ سیاہ است جامِ ما

در خلوتش گذر نبود باد را ، مگر
صرصر بہخاکِ راہ رساند پیامِ ما

اے بادِ صبح عطرے ازان پیرہن بیار
تسکین ز بویِ گل نہ پذیرد مشامِ ما

ہر بار دانہ بہرِ ہما افگنیم و مور
آید بہدام و دانہ رباید ز دامِ ما

گفتی چو حالِ دل شنود، مہربان شود
مشکل کہ پیشِ دوست توان برد نامِ ما

ازما بہما پیام و ہم ازما بہما سلام
رنجِ دلے مباد پیام و سلامِ ما

یہ غزل غالب نے اپنے خط کے ساتھ علائی کو ۱۸۶۱ء میں بھیجی تھی ؛ شاید ۱۵ اکتوبر کے بعد (خطوط مہر ، ص ٦٧).- جیسا کہ اس غزل کے مقطعے میں اشارہ کیا گیا ہے ، مقطعے کا مصرع ثانی حافظ کے مشہور شعر کا ہے اور یہ پوری غزل حافظ کی غزل :
(جاری)

مقصود ما ز دہر برآئینہ نیستی ست
یا رب کہ ہیچ دوست مبادا بکام ما

غالب بقول حضرتِ حافظ ز فیضِ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

'ساقی بنور بادہ بر افروز جام ما' کے تتبع میں کہی گئی ہے - معلوم ہوتا ہے کہ اس غزل کا مقطع پہلے یہ تھا :

غالب بخود ببال کہ گشتیم روشناس
در دفتر وزیر نوشتند نام ما

یہ شعر غالب کے اُس فارسی خط میں آیا ہے جو "بہ مولوی محمد حبیب‌اللہ منشی نواب مختارالملک نائب والی حیدرآباد" کے عنوان سے پنج‌آہنگ مشمولہ کلیات نثر فارسی (مطبوعہ ۱۸۶۸ء) میں صفحہ ۱۱۸ پر درج ہے اور اس کے آخر میں تاریخ سہ شنبہ یازدہم ربیع‌الاول ۱۲۷۸ء ثبت ہے - اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ غزل غالب مذکورہ تاریخ (مطابق ۱۶ ستمبر ۱۸۶۱ء) سے پہلے کہہ چکے تھے - مذکورہ مقطعے میں وزیر سے مراد واضح طور پر نواب مختارالملک، افضل‌الدولہ نظام حیدر آباد کے وزیر اعظم ریاست ہیں ۔ تفصیل کے لیے دیکھیں، تحقیق نامہ، ص ۲۱۸ -

۳

منع ز صہبا چرا ، بادہ روان پرور است
خوف زعصیان عبث ، خواجہ شفاعتگر است

پرتوِ مہر و مہ است نور بہ‌چشم اندرون
گرچہ بود در قدح ، اصلِ مے از کوثر است

عہدِ جوانی گذشت ، توبہ نکردم ہنوز
بادہ بہ پیران سری نیک بہ‌من درخوراست

اے بہ‌من آویختہ ، پارۂ از جا بگرد
تا نہ فتد بر زمین بادہ کہ درساغر است

ہند بہ‌ہنگامِ دے خوش بود آب و ہواش
ورنہ‌بود گُل زگُل‌محملِ گُل خوشتر است

ایکہ ز نظارۂ حسنِ بتان مانعی
چشمِ تو گر بستہ اند، روکہ دو گوشم کر است

خستہٴ یارِ خودم ، باغ و بہارِ خودم
ہر مژہٴ خونفشان، شاخِ گلِ احمر است

صبح رسید از ہوا مرغِ ہمایون ہما
گفت کہ مکتوبِ تو درخورِ این شہپر است

گفتم اگر خوش کنی ور نکنی حرفِ من
بالِ تو از بہرِ دوست مرحمہ را درخوراست

ور بسویِ جاوره میروی البتہ رو
سایہ بہ‌فرقش فگن آنکہ ہمایون‌فراست

نامۂ من سویِ دوست خانِ جہان جان بہر
آنکہ ز پہلویِ دوست نامی و نام آوراست

خود ز کفِ نامہ‌بر نامہ ستانند بہ‌مہر
آنکہ مہان را مہ است ، آنکہ سران را سراست

یہ غزل بھی، جو محتشم‌الدولہ نواب غوث محمد خان بہادرشوکت جنگ رئیس جاورہ (متوفی ۲ ذوالحجہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۹ اپریل ۱۸٦۵ء بہ عمر ۴۲ سال) کے لیے کہی گئی تھی اس مجموعے کی پہلی غزل کی طرح مدحیہ ہے -

مطلع : غزل کے ممدوح نواب محتشم‌الدولہ ہیں جو بڑے دین‌دار اور پرہیزگار تھے ، جیسا کہ اُن کی سوانح میں مذکور ہے - (دیکھیں آثار مولوہ) غالب نے اسی لیے اپنی مےنوشی کا غزل کے مطلع اور ابتدائی اشعار میں دفاع کیا ہے - ·

فارسی میں مل ہے یعنی ماء کوچک شراب و شراب ہے
اس غزل میں شروع کے چھ شعر ایک فرضی مخاطب سے
(جاری)

ابرِ بہارش مخوان بحرِ روانش مدان
محتشم الدوله را دست و دلے دیگر است

آن شہِ خوبان چرا ناز ز افسر کشد
خود کله از فرخی برسرِ او افسر است

نامه که بے نامِ اوست طایرِ بے بال و پر
شعر که بے مدحِ اوست شاہدِ بے زیور است

مدحِ چنین شہنشان سہل شمارد ہمی
غالبِ وحشی لگر کش چه ہوا در سراست

حطاب میں ہیں جو غالب کو رندانہ زندگی سے باز رکھنا چاہتا ہے - ان اسعار میں غالب نے اپنا دفاع کیا ہے ، جس میں روئے سخن محتشم الدولہ کی طرف ہے -

۱۰ : 'جاورہ'——————راجپوتانہ ہند میں ریاست جاورہ کا صدر مقام -

۱۱ : 'خان جہان خان'———ریاست جاورہ کے مدارالمہام جن کی وساطت سے یہ غزل ممدوح کو بھیجی گئی تھی -

دہلی سوسائٹی کی روداد بابت جنوری ۱۸۶۵ء سے پتہ چلتا ہے کہ نواب شہاب الدین احمد خان ثاقب کی سفارش پر اس سال ۱۱ جنوری کو محتشم الدولہ سوسائٹی کے رکن بنائے گئے - قیاس کہتا ہے کہ یہ غزل اُسی زمانے میں کہی گئی ہو گی ، جب وہ دہلی آئے ہوئے تھے -

یہ غزل بیدل کی زمیں میں ہے - دیکھیں 'تعلیقات'

۴

ہم انا اللہ خوان درختے رابگفتار آورد
ہم انا الحق گوی مردے را سردار آورد

ایکہ پنداری کہ ناچار است گردون در روش
نیست ناچار آنکہ گردون رابرفتار آورد

نکتۂ دارم و بایاران ہمیگوئیم فاش
طالب دیدار باید تابِ دیدار آورد

دانہا چون ریزد از تسبیح تارے بیش نیست
این مشعبد دہرگاہ از سبحہ زنار آورد

یہ غزل غالب نے خواجہ غلام غوث بیخبرکو اپنے ایک خط مورخہ ۷ جولائی ۱۸۶۵ء کے ساتھ بھیجی تھی (خطوط، مہر، ص ۳۳۲، خط ۱۳)، جس میں لکھا تھا ''بھائی امین‌الدین خان کے اصرار سے خسرو کی غزل پر ایک غزل لکھی ہے - علاؤالدین خان نے اس کی نقل ان کو بھیج دی ہے - میں دیوان پر نہیں چڑھاتا - مسودہ بھیجتا ہوں - - - (ایضاً، ص ۳۳۳) -

امیر خسرو کی غزل کا مطلع ہے :

ہر شبم جان بر لب آہ و نالۂ زار آورد
تا کدامین باد بوئی زان جفاکار آورد
(عاصر دواوین خسرو، ص ۲۵۰)

(جاری)

جذب شوقش بین کہ در ہنگام برگشتن زدیر
درقفای خویشتن بت را برفتار آورد

آن کند قطع بیابان این شگافد مغز کوہ
عشق ہر یک را بطرز خاص درکار آورد

آہِ مارا بین کہ نارد از دلِ سختش خبر
باد را نازم کہ ابر از سویِ کہسار آورد

نزدِ ما حیف ست گو نزدِ زلیخا میل باش
جذبہ' کز چاہ یوسف را بہ بازار آورد

ہر انارے راکہ افشاریم ازوے خون چکد
ہر نہالے را کہ بنشانیم دل بار آورد

نیست‌چون‌در منطقش جزذ کرشاہدحرف‌وصوت
شاہدے باید کہ غالب را بگفتار آورد

مطلع : اناالله حوان ، صفت مقدم ہے اور اسی طرح 'اناالحق
گوی ، بھی -
بیت : ٦ : باغ دو در ، کے مخطوطے میں مصرع اولیٰ میں
'آن کند' کے نیچے قیس اور 'این شگافد' کے نیچے فرہاد بطور توضیح
درج ہے -
۸ : 'جذبہ' بمعنی کشش - یہاں پر کشش زلیخا کی طرف سے ہے -

۵

درد ناساز است و درمان نیز هم
دہر بے پروا و یزدان نیز هم

اجرِ ایمان سودِ دانش گو مده
آنکه دانش داد و ایمان نیز هم

شه ز بزمم گر براند غم کراست
فارغم از ننگِ حرمان نیز هم

طاعتم می نگذرد اندر خمیر
نیست باقی ذوقِ عصیان نیز هم

عشق و آنکه استعاراتِ دروغ
اے دژم زخمو نمکدان نیز هم

منکه بردم بے اجل میرم همی
میتوانم زیست بے جان نیز هم

رفته است از دل نشاطِ بزم و باغ
وان هوایِ ابر و باران نیز هم

خامشی تنها نه جان را می گزد
این نواهای پریشان نیز هم

آنکه پندارند حافظ بوده است
غالبِ آشفته بود آن نیز هم

یہ غزل جیسا کہ مقطعے سے بھی ظاہر ہے ، حافظ کے تتبع میں کہی گئی ہے - حافظ کا مطلع ہے :

دردم از یاراست و درمان نیزهم
دل فدای او شد و جان نیزهم

بیت:۵ : اضافات جمیل، اور سبد چین کی قدیم و جدید اشاعتوں اور باغ دو در کے مخطوطے میں ''زخم نمکدان'' ہے جو صریحاً غلط ہے - اس شعر میں لف و نشر مرتب ہے ، 'عشق' کو 'زخم' اور اسعارات دروغ ، کو 'نمکدان' کہا ہے -

٦

بلہ من عاشقِ ذاتم تنہ نا ہایا ہو
ناظرِ حسنِ صفاتم تنہ نا ہایا ہو

موسی و حصرِ تماشای تجلّی برطور
من نہ در بندِ جہانم تنہ نا ہایا ہو

شررِ آتشِ رخشندۂ عشقم کہ یکے است
دمِ میلاد و وفاتم تنہ نا ہایا ہو

ظلمتِ کفر مبین، روشنیِ طبع، نگر
چشمۂ آبِ حیاتم تنہ نا ہایا ہو

فنِ تحریر بہ من نازد و من فارغ ازان
مرجعِ کلک و دواتم تنہ نا ہایا ہو

بر درِ دوست ہمی بیہدہ نالم کہ مباد
رنجد از صبر و ثباتم تنہ نا ہایا ہو

پرورش جز بہ خورش نیست ہانا رازق
بر جگر دادہ براتم تنہ نا ہایا ہو

مجرمِ عالمِ ارواح و بہ پاداشِ عمل
خستۂ قیدِ حیاتم تنہ نا ہایا ہو

تکیہ بر مغفرتِ اوست نہ بر طاعتِ خویش
تارکِ صوم و صلٰوتم تنہ نا ہایا ہو

چشم دارم کہ بہرہ روی دہد بیخودئے
جز بدین نیست نجاتم تنہ نا ہایا ہو

غالبم تشنۂ تلخاب ، نہ ہمچون حافظ
مایلِ شاخِ نباتم تنہ نا ہایا ہو

نواب علاؤالدین احمد خان علائی کی بیاض میں ایک خط نقل ہوا ہے ، جو غالب نے نواب امین الدین احمد خان کو بھیجا تھا ۔ اس خط کے ساتھ غالب نے یہ غزل بھیجی تھی اور اس کے بارے میں خط میں لکھا تھا "برادر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ این غزل بجواب غزل حزین است : ہلہ من جان جہانم تنہ ناہایا ہو ۔ ۔ ۔ ۔" اس بیاض کا حوالہ اور مذکورہ خط کا اقتباس راقم نے دہلی میں محترمہ حمیدہ سلطان صاحبہ کی وساطت سے جناب مرزا شمس الدین برلاس اژہاروی کی بیاض سے لیا تھا ۔

'تنہ نا ہایا ہو' ——— غالب نے تفتہ کے نام ایک خط میں لکھا ہے "تم نے 'تن تن' کا ذکر کیوں کیا ؟ میں نے اس باب میں کچھ نہ لکھا تھا ، 'تن تن' اور 'تننننا' اصوات ہیں تار کے ، ہندی اور فارسی میں مشترک ۔" (خطوط ، مہر ، بنام تفتہ شمارہ ۱۱۵)

۷

از جسم بہجان نقاب تا کے
این گنج درین خراب تا کے

این گوہرِ پرفروغ یارب
آلودۂ خاک و آب تا کے

این راہروِ مسالکِ قدس
واماندۂ خورد و خواب تا کے

بیتابیِ برق جز دمے نیست
ما وین ہمہ اضطراب تا کے

بے خبر کے نام ۱۸۶۶ء کے خط میں غالب نے لکھا ہے "میں نے سات شعر امیر خسرو کی غزل پر [دیکھیں تعلیقات] لکھ کر مطرب کو دیے، وہ مجلسوں میں گانے لگا۔ اکبر آباد، لکھنؤ تک مشہور ہوئے۔ وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے:

از جسم بجان نقاب تاکے   این گنج درین خراب تاکے

ایک صاحب آگرے میں اور ایک صاحب لکھنؤ میں معترض ہوئے کہ 'گنج در خرابہ باید نہ در خراب'۔ ہرچند کہا کہ 'خرابہ' مزیدالیہ اصل لغت، 'خراب' عربی الاصل بمعنی ویران و ویرانہ ہے، جس کی ہندی اوجڑ، معترض مصر رہا۔ صاحب کے دیوان میں سے
(جاری)

جان در طلبِ نجات تا چند
دل در تعبِ عتاب تا کے

پرسش ز تو بے حساب باید
غمہای مرا حساب تا کے

غالب بہ‌چنین کشاکش اندر
یا حضرت‌بوتراب[۴] تا کے

یہ مطلع نکلا :

بہ فکر دل نہ فتادی بھیچ باب دریغ
بہ گنج راہ نہ بردی درین خراب دریغ

تفتہ کے نام ایک دوسرے خط میں (ایضاً ، خط ۲۱) غالب نے لکھا ہے ''عارف علی شاہ خراسانی نے اسی مطلعے پر ۔ ۔ ۔ تین اعتراض کئے تھے : پہلا نقاب کے ساتھ عارض و رخ کا ذکر بھی ضرور تھا ، وہ نہیں ہے ۔ دوسرا ، گنج تو ویرانے ہی میں ہوتا ہے ، پھر اس پر تأسف ہی کیا ، جو کہتے ہیں 'تا کے ؟' تیسرا ، 'ویرانے کو 'خرابہ' کہتے ہیں نہ 'خراب' اور ان اعتراضوں کے بعد انہوں نے دخل کیا تھا :

از جسم بجان حجاب تا کے
گل بر رخ آفتاب تا کے''

تفتہ ہی کے نام ایک اور خط میں غالب نے اس مطلعے کا مفہوم بتایا ہے اور اعتراضات کے جواب کی تکمیل کی ہے (دیکھیں خطوط ، مہر ، صفحہ ۳۴۳ و ۳۴۴ ، خط ۲۲) ۔

یہ غزل غالب نے اپنے اردو خط مورخہ ذی الحجہ ۱۲۷۷ھ (جون ۱۸۶۱ع) کے ساتھ نواب علاؤالدین احمد خاں علائی کو بھیجی تھی ۔ اسی سال کہی ہو گی ۔ کلیات نظم فارسی (مطبوعہ ۱۸۶۳ع) میں شامل نہ ہوسکی ۔ ۱۸۶۷ع میں سبدچین میں شائع ہوئی ۔

۸

خوشم که چرخ بکوی تو ام ز پا انداخت
که هم ز من پیِ من خلد را بنا انداخت

چو نقشِ پا همه افتادگیست هستیِ من
ز آسمان گله نبود اگر مرا انداخت

سوادِ سایه همان صورتِ گلیم گرفت
همای فرخ اگر سایه بر گدا انداخت

ز رزقِ خویش چسان برخورم که داسِ قضا
زِ کشت خوشه درود و در آسیا انداخت

به عز و نازمنه دل که افتد آخرِ کار
ز فرقِ مهر کلاهے که بر هوا انداخت

به طعنِ بے‌اثریهای نالهٔ ما را کُشت
ز کیشِ ماست خدنگے که سوی ما انداخت

صحیفہ بیشِ نگاہ و نگاہ کزلک تیز
دریغ گر بسرِ حرفِ مدّعا انداخت

اگر نہ لطفِ شبِ وصل کاستن میخواست
ز روزِ ہجر سخن درمیان چرا انداخت

منم کہ با جگرِ تشنہ می نوردم راہ
بوادیے کہ خضر کوزہ و عصا انداخت

فغان ز غفلتِ غالب کہ کارش از مستی
ز دست رفتہ و داند کہ با خدا انداخت

یہ غزل خواجوی کرمانی کی زمین میں ہے (کلیات خواجو ، طبع تہران ص ۶۵۲ ، غزل ۵۳) ۔ 'دیکھیں تعلیقات'

بیت : ۵ : وکلاہ بر ہوا انداختن ، کنایہ ہے مسرت و افتخار سے ۔ دیکھیں وارستہ کی مصطلحات الشعراء)

۹

آسمانِ بلند را میرم
ابرِ کُحلی پرند را میرم

میفریبد مرا ببازیچه
دلِ زار و نژند را میرم

شوریِ اشک در نظر خوارست
تلخیِ زهرخند را میرم

سخنم مدحِ حضرتِ اعلیٰ ست
سخنِ دل‌پسند را میرم

سرِ راهش نشستنم هوس است
خاکِ پایِ سمند را میرم

رهنشینِ ویم زهے توقیر
طالعِ ارجمند را میرم

جذبِ الفت بسویِ وے کشدم
این نوآئین کمند را میرم

میکند رخنہ در جگر غمِ ہجر
این جگر در کلند را میرم

شاعرم، منشیم، ظریف و شریف
این اضافاتِ چند را میرم

وایہ جوید ز حضرتِ اعلیٰ
غالبِ مستمند را میرم

۴ نیز مقطع : 'حضرت اعلیٰ' سے مراد شاید نواب افضل الدولہ والی دکن ہیں۔ اگر ایسا ہے تو یہ غزل اُس قصیدے کے ساتھ بھیجی گئی ہوگی جو باغِ دودر میں (بہ شمارہ ۷) شامل ہے (ص ٦۷)

۱۰

بہ مقصدے کہ مرآن را رہِ خدا گویند
برو برو کہ ازان سو بیا بیا گویند

کسے کہ پای ندارد چگونہ راہ رود
خود اہلِ شرع درین داوری چہا گویند

ز رمزِ نخلِ اناالله گوی نا آگاہ
حدیثِ جلوہگہ و موسی و عصا گویند

مگر ز حق نہ بود شرم حق پرستان را
کہ نامِ حق نبرند و ہمین انا گویند

یہ غزل غالب نے خواجہ حالی کو لکھ کر بھیجی تھی، جنہوں نے اس کی تقریب یادگار غالب (ص ۳۹) میں یوں بیان کی ہے "ایک روز مرزا کی بزرگی، اُستادی اور کبرسنی کے ادب اور تعظیم کو بالائے طاق رکھ کر خشک مغز واعظوں کی طرح اُن کو نصیحت کرنی شروع کی۔ چونکہ ان کے ثقل ساعت انتہا کے درجے کو پہنچ گیا اور ان سے بات چیت صرف تحریر کے ذریعے سے کی جاتی تھی۔ نماز پنجگانہ کی فرضیت اور تاکید پر ایک لمبا چوڑا لکچر لکھ کر اُن کے سامنے پیش کیا جس میں اُن سے اس بات کی درخواست تھی کہ آپ کھڑے ہو کر، یا بیٹھ کر، یا ایماٴ و اشارے سے
(جاری)

ز قولِ شان نبود دلنشینِ اہلِ نظر
جز آن صفات کہ از ذاتِ کبریا گویند

نخوانده در کتب و ناشنیده از فقہا
بغیر بے مزہ وا گوبہہا کہ وا گویند

دم از وجودکہ ذنب زدند بے خبران
چسان عطیہٗ حق را گناہِ ما گویند

بلی گناہ بود دعوی وجود از ما
بہ اہل راز چنین گوی تا بجا گویند

غرض جس طرح ہو سکے نماز پنجگانہ کی پابندی اختیار کریں ، اگر وضو نہ ہو سکے تو تیمم ہی سہی مگر نماز ترک نہ ہو ۔" یہ انہوں نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے اور آگے چل کر اس سلسلے میں لکھا ہے "اس کے بعد میں اُن سے رخصت ہو کر چلا آیا ۔ دوسرے روز حضرت نے ایک غزل لکھ کر میرے پاس بھیجی ۔ جس میں اگرچہ میرے نام اور تخلص کی تصریح نہ تھی لیکن اُس کے بعض مضامین اور اشارات سے معلوم ہوا کہ اُس میں جو طعن و تعریض ہے وہ میری ہی نسبت ہے ۔" (ایضاً ص ۴۰) اس کے بعد یہ غزل درج کی ہے ۔ بعد کی تفصیل کے لیے دیکھیں یادگار ، صفحات ۴۱ تا ۴۳۔

مطلع : 'مقصد'——یہ عربی لفظ بہ کسرہٗ صاد ہے بمعنی منزل مقصود ۔ فارسی میں بھی یہی تلفظ اور یہی معنی ہیں ۔ اس مطلعے میں غالب نے مقصد کو رہ خدا کہہ کر گنجلک پیدا کر دی ہے ۔ اس مقام پر یہ اشارہ بے جا نہ ہوگا کہ اُردو میں مقصد بہ فتحہٗ صاد اور روزمرہ میں بہ معنی مقصود مستعمل ہے ۔

(جاری)

قطعه

دگر ملامتیان را چه زہرۂ پاسخ
اگر بہ خشم گرایند و ناسزا گویند

نکردہ زرمسِ خود را و بہرِ عرضِ فریب
بہ پیشِ خلق حکایت ز کیمیا گویند

کسان کہ دعوی نیکی ہمی کنند مرا
اگر نہ نیک شمارند بد چرا گویند ؟

طمع مدار کہ یابی خطابِ مولانا
بس است ہمچو توئی را کہ پارسا گویند

بگوی مردہ کہ در دہر کار غالبِ زار
ازان گذشت کہ درویش و بینوا گویند

بیت : ۷ : 'وجودک ذنب '———— دیکھیں خواجہ حالی کی توضیح (یادگار ، ص ۱۴) ۔

۱۱ : کساںکہ———— یہ لفظ اس اسلوب بیان میں غیر فصیح ہے ۔

۱۲ : مخاطب خواجہ حالی ہیں ۔ دیکھیں یادگار غالب ص ۳۹ ۔

فردات

۱

نازم آن فتنہ کہ در دشت بہ‌غمخواریِ قیس
لیلی از ناقہ فرودآید و محمل برود

۲

اینک ہزار و ہشتصد و شست و چارہین
ہنگامہ ورودِ خداوندگار ہین

۳

نوابِ نامدار بہ دہلی درآمدہ
فصلِ بہار ہین کہ در اکتوبر آمدہ

۴

مرحبا ویسرای کشورِ ہند
شأن و شوکت فزایِ کشورِ ہند

بیت : ۱ : اس زمین میں غالب کے بعض پیشرووں کی غزلیں ہیں ، مثلاً طہوری :

زود خوش نیست کہ قاتل ز مقابل برود
بایدش بود کہ جان از تن بسمل برود

نظیری :

کس چو من نیست کہ پیش نظر از دل برود
غایب از دیدہ نگردد ز مقابل برود

فیضی :

ہمچو من گرم روے کو کہ رہ دل برود
ناقہ را پے کند و آن سوی منزل برود

دیکھیں تعلیمات (جاری)

۵

بیا کہ دادہ بہ دہلی نشانِ شوکت و شان
وزیرِ اعظمِ شاہِ فرنگ و ہندستان

٦

ز ہے لارڈ لارنس کز حکمِ شاہ
کند تاجداری بہ زرّیں کلاہ

۷

ملکہ آنکہ برین چرخ سریرش باشد
لارڈ لارنس گرانمایہ وزیرش باشد

۸

زہے ز شملہ بہ دہلی ورودِ فرخِ او
چو آفتاب سراسر فروغ و فر رخ او
مرحبا لشکرِ نوابِ گورنر جنرل
کہ شدہ دہلی ازان کوکبہ کوکب بمثل

---

۲ : ۱۸٦۴ء میں ۱۵ اکتوبر کو وائسرائے سر جان لارنس نے، جو کلکتے سے شملے منتقل ہوگئے تھے اور انھوں نے شملے کو اپنا صدر مقام قرار دیا تھا، (مرکزی حکومت کے تمام ادارے کلکتے ہی میں رہے تھے) لاہور میں دربار کیا، جس میں پنجاب کے والیان ریاست اور معززین نے شرکت کی - دہلی اور نواح دہلی کا شمول بھی پنجاب میں تھا، چنانچہ اس طرف کے نمائندے بھی شریک ہوئے، جن میں نواب امین الدین لوہارو بھی اپنے تین اعزہ کے ساتھ شریک تھے - یہ شعر اسی موقع کے لیے کہا گیا ہوگا اور قیاس کہتا ہے کہ اس کا کتبۂ استقبال کے لیے لگایا گیا ہوگا - ویسے خود غالب شریک دربار نہ

(جاری)

۹

در لن مردم این شہر روان باز آمد
می شناسم کہ مگر شاہِ جہان باز آمد

۱۰

عیان بود ز گورنر کرامتِ ملکہ
زبانِ خلق و دعای سلامتِ ملکہ

نہیے - (تفصیل کے لیے دیکھیں پنجاب گزٹ ، جلد ۹ ، نمبر۲۳) اس شعر میں خداوندگار، لفظ لارڈ کے مفہوم کے لیے آیا ہے -

۳ : اکتوبر میں دہلی میں دربار پنجاب کے لفٹننٹ گورنر سرڈانلڈ میکلوڈ کا ہوا تھا ، جن کا ذکر باغ دودر کی تعلیقات میں ص ۴۷ اور ص ۱۲۸ پر ہے - یہ سال ۱۸٦٦ء تھا - اس موقع پر ان کو دہلی سوسائٹی کی طرف سے ، جس کے غالب بھی رکن تھے ، سپاس نامہ پیش کیا گیا تھا (رسالہ دہلی سوسائٹی ، نمبر۳ بابت ۱۸٦۷ء ، ص ۱۲ و ص ۲۷) - اس موقع پر اس شعر کا کتبہ لگایا گیا ہوگا -

۴ ، ۵ : یہ اشعار ۱۸٦۴ء یا ۱۸٦٦ء کے ہونے چاہئیں اور اس قیاس کی بنا پر ان کا ممدوح سر جان لارنس (لارڈ لارنس) ہے - دوسرا شعر خاص طور پر ۱۸٦٦ء ہی کا ہوسکتا ہے - (دیکھیں تحقیق نامہ ص ۱۹٦)

٦ ، ۷ : دیکھیں مندرجہ بالا حاشیہ برائے فرد : ۳ - یہ اشعار ۱۸٦٦ء کے بھی ہوسکتے ہیں -

۸ ، ۹ : دیکھیں تحقیق نامہ ص ۱۹٦ ، وائسرائے سرجان لارنس نے کلکتے کے بجائے شملے کو اپنا صدر مقام قرار دیا تھا - مرکزی حکومت کے ادارے کلکتے ہی میں رہتے تھے -

(جاری)

۱۱

دو روز دیر کن اے مرگ خالصاً للہ
مگر بہ‌من رسد آن وایہ کہ در راہست

۱۲

عبودیت نکند اقتضای خواہشِ کار
دعا بصیغۂ امراست وامر بے ادبی ست

---

۱۰ : یہ شعر ۲۴ فروری ۱۸۵۸ء کو سر جان لارنس کے لیے کہا گیا ہوگا - نیز دیکھیں رباعی : ۹ کا دوسرا شعر جو اسی مضمون کا ہے -

۱۱ : ممدوح سر رابرٹ منٹگمری یا سر ڈانلڈ میکلوڈ ہوسکتے ہیں - اس طرح یہ شعر ۱۸۶۳ء اور ۱۸۶۶ء کے درمیان محصور ہو جاتا ہے -

۱۲ : غالب کی اس زمین کی غزل ہے : ظہور بخشش حق را ذریعہ بی سببی است ، لیکن یہ شعر انھوں نے غزل میں شامل نہیں کیا -

رباعيات

۱

بخشید بہ ثاقبِ سخنورِ یزدان
فرخ پسرے بشکلِ ماہِ تابان

ہم نورِ نگاہِ نیّرِ رخشان است
ہم روشنیِ چشمِ شہاب الدین خان

۲

امروز کہ روزِ عید و نو روز بود
روزِ فرخندہ و دل افروز بود

ہر عیش و نشاطے کہ درین روز بود
ہر روز ترا ز بخت فیروز بود

رباعی : ۱ : یہ رباعی نواب ضیاالدین احمد خان نیر رخشاں کے پوتے یعنی نواب شہاب الدین خان ثاقب کے صاحبزادے کے لیے کہی گئی تھی ، شاید نواب شجاع الدین خان تاباں کے لیے ۔

(جاری)

۳

نازم به نشاطِ اینچنین برگشتن
رمزیست نهفته اندرین برگشتن

سرمایهٔ نازش است و پیرایهٔ حسن
برگشتنِ مژگان بود این برگشتن

۴

خواندیم سخنهایِ محبت بسیار
راندیم سخنهایِ محبت بسیار

رفتیم آخر ز عالم و در عالم
ماندیم سخنهایِ محبت بسیار

۳: شاید یہ رباعی اور رباعی: ۵ بقریب نوروز انقلاب ۱۸۵۷ء کے مشہور شاہزادے فیروز بخت کے لیے کہی گئی ہو۔

۴: 'ماندیم' —ماندن بطور مصدر متعدی متقدمین کے ہاں ملتا ہے، لیکن متاخرین خاص طور سے 'سبکِ ہندی' کے ممتاز شعرا کے متروکات میں سے ہے۔ یہاں مخل فصاحت ہے۔ ماندن، بمعنی 'رکھنا' اور چھوڑنا، ایرانی محاورے میں اب متروک ہے، البتہ افغانستان میں اب بھی بولا جاتا ہے۔

۵

اے رویِ تو ہمچو مہرِ گیتی‌افروز
وے بختِ تو در جہانستانی فیروز

حق کردہ بہ روز نامۂ عمرِ تو ثبت
توقیعِ توقعِ ہزاران نوروز

٦

اے آنکہ بہ‌دہر نامِ تو شاہرخ‌است
پیوستہ ترا بحضرتِ شاہ رخ است

نازد ، بتو شہ کہ باشد اندر شطرنج
امیدِ ظفر قوی، چو با شاہ رخ است

۵ : دیکھیں رباعی : ۲ کی مندرجہ بالا حاشیہ

٦ : رباعی ، جیسا کہ واضح ہے، مرزا شاہرخ (متوفی ۱۸۴۷ء) کے لیے کہی گئی تھی ، دیکھیں **تحقیق‌نامہ** ، ص ۲۰ و ص ۳۲ -) اور غالب کے **دیوان فارسی** ، نسخہ بانکی پور ، کتابت شدہ ۱۲۵۴ھ مطابق جولائی ۱۸۳۸ء کے ورق ۱۳۲ ب پر بائیں طرف کے حاشیے میں درج ہے - دیوان فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء اور **کلیات نظم فارسی** مطبوعہ ۱۸٦۳ء میں شامل نہ ہوسکی -

۷

اے دادہ بباد عمر در لہو و فسوس
زنہار مشو ز رحمتِ حق مایوس

ہُش دار کز آتشِ جہنّم حق را
تہذیب غرض بود نہ تعذیبِ نفوس

۸

جائیکہ ستارہ شوخ چشمی ورزد
افسر افسار و گرزن ارزن ارزد

خورشید ز اندیشۂ جاور گردش
بر چرخ نبینی کہ چسان می لرزد

۷ : یہ رباعی دیوان غالب کے نسخۂ بانکی‌پور کتابت شدہ ۱۲۵۷ھ مطابق ۱۸۴۱ء نیز نسخۂ ۱۸۴۵ء (طبع دارالسلام) اور نسخۂ رامپور کتابت شدہ ۱۸۶۱ء میں رباعیات میں دوسری ہے ، لیکن نسخہ طبع ۱۸۶۳ء میں شامل نہ ہوسکی ۔

۸ : 'جاور گردش ، دساتیری لفظ ہے بمعنی 'انقلاب' اس لفظ کے یہ معنی کلیات نثر غالب طبع ۱۸۶۸ء میں دسنبو کی فرہنگ میں بھی بتائے گئے ہیں ۔ یہ رباعی دستنبو (کلیات نثر غالب ص ۱۹۵) میں درج ہے ۔ انقراض بادشاہی اودھ کے بیان میں آئی ہے ۔

۹

در کالبدِ شہر روان باز آمد
فرمان فرمایِ شہ نشان باز آمد

زین‌شادی‌وخوشدلی‌کہ روداد بہ‌شہر
گوئی کہ مگر شاہِ جہان باز آمد

۱۰

از دہر دلم وایہ ز ہر در می جُست
از بادۂ ناب یک دو ساغرمی جُست

فرزانہ مہیش داس بخشید بہ‌من
آبے کہ برایِ خود سکندرمی جُست

۹ : دوسرے شعر کا مضمون فردات میں فرد : ۱۰ میں بھی آیا ہے - یہ رباعی دستنبو (کلیات نثر غالب ، ص ۲۰۳) میں بھی درج ہے - چہار شنبہ ۲۴ فروری ۱۸۵۸ء کو سرجان لارنس ، چیف کمشنر کی دہلی میں آمد پر کہی گئی تھی -

۱۰ : اس رباعی کے ممدوح دہلی کے لالہ مہیش داس پسر چھوڑا مل ساہوکار ہیں - یہ نواب امین الدین احمد خاں کے خاص احباب میں تھے - غالب سے مراسم اسی راہ سے ہوں گے - آن کی ولدیت اور یہ بات کہ نواب کے خاص دوست تھے راقم کو نواب شمس‌الدین مرزا برلاس لوہاروی کی بیاض سے معلوم ہوئی - لالہ مہیش داس دہلی کے آنریری مجسٹریٹ اور دہلی سوسائٹی کے رکن (جاری)

۱۱

زینسان کہ ہمیشہ در روانی مائیم
سر چشمۂ رازِ آسانی مائیم

لختے ز دساتیر بوَد نامۂ ما
ساسانِ ششم بہ کاردانی مائیم

۱۲

گویند جہانیان دو رویند ، مگو
گر بدمنکوہ ، ور نکویند ، مگو

ہر چند کہ بد زیستم و بد مُردم
نیکان پس مردہ بد نگویند ، مگو

تھے جس کے ارکان میں ۱۱ اگست ۱۸۶۵ء سے غالب بھی تھے - (رسالہ دھلی سوسائٹی ، نمبر ۱، بابت ۱۸۶۶ء) - یہ رباعی دستنبو (کلیات نثرص ۲۰۵) میں لالہ صاحب کے بارےمیں ان الفاظ کے ساتھ درج ہے : "خوی آن داشتمی کہ بشب جز؟ فرخ ہیچ نخوردمی و اگر آن نیافتمی خوابم نبردی - درین ہنگام کہ بادۂ فرنگ در شہر بسیار گرانست و من پر تہیدست، اگر جوانمرد خدا دوست خدا شناس دریادل مہیش داس [بہ تصحیح] بفرستادن بادۂ شکری ہندی کہ در رنگ با فرخ برابر و در بوی [بہ تصحیح] ازان خوشتری بر آتش آب نزدی
(جاری)

۱۳

ہر روز تنم ز سایہ لرزان گردد
ہر شب دلم از داغ چراغان گردد

خواہم کہ ز لطف منٹگمری صاحب
کارِ منِ آشفتہ بسامان گردد

۱۴

اے پایہ بلند ساز والا جاہی
از بہر تو باد، ہرچہ از حق خواہی

مککو کبہ مکلوڈ کہ درصورتِ تست
چون مُہر عیان معنیِ روح اللہی

جان آبردمی و از جگر تشنگی مردمی۔‘‘پھر یہ رباعی درج کی ہے اور لکھا ہے : ’’از داد نتوان گذشت و دیدہ را. نا گفتہ گذاشت ۔ این نکوئی‌دوست دربارۂ آبادی مسلمان شہر کوشش دریغ نداشت‘‘

اس رباعی کے دوسرے شعر میں ہندی لفظ ’داس‘ کا ، جس کے معنی غلام ہیں ’سکندر‘ سے تضاد مقصود ہے ۔

۱۱ : ’دساتیر‘—اکبری دور کی مجعولہ کتاب جو خود ساختہ زبان میں لکھی گئی اور ظاہر کیا گیا کہ یہ قدیم ایرانی زبان میں قدیم آسمانی صحیفہ ہے ، جو نازل ہوا اور ساسان پنجم (نام نہاد ایرانی پیغمبر) نے اس کا ترجمہ خالص فارسی میں کیا ۔ یہ ترجمہ متن کے بین‌السطور میں درج ہے ۔ اس ترجمے میں بھی بہت سے فارسی الفاظ

(جاری)

۱۵

یا رب تو کجائی کہ بما زر ندہی
بیدرد خدائی کہ بما زر ندہی

نے نے تو نہ غایبی و نہ بیرحمی
بے مایہ چومائی کہ بما زر ندہی

۱۶

آن کیست کہ جسم ملک راجان باشد
آن کیست کہ ہمسر سلیمان باشد

آن کیست کہ انجمش بہ فرمان باشد
کس نیست، مگر کلب علی خان باشد

گھڑ کر استعمال کیے گئے ہیں - بمبئی کے ایک زرتشتی عالم ملا فیروز کاؤس نے 'دساتیر' فرہنگ اور انگریزی ترجمے کے ساتھ ۱۸۳۸ء میں شائع کی تھی۔ برعظیم پاک و ہند اور ایران میں خصوصاً سترھویں، اٹھارھویں اور انیسویں صدی کے بہت سے فرہنگ نویس نثرنگار اور شاعر دساتیر کے ترجمے کی خالص فارسی سے متاثر رہے ، چنانچہ اس کے نو ساختہ الفاظ فرہنگوں میں اور نظم و نثر میں راہ پاتے رہے۔ غالب بھی دساتیر کے آئین گفتار کی فارسیت کے فریب خوردہ اور شیدائی تھے اور اس کے بعض جعلی الفاظ کے فریب خوردہ تھے ، چنانچہ انھوں نے ایسے کئی لفظ اپنی فارسی نگارشات میں استعمال کئے ہیں ، خاص طور سے 'مہر نیم روز' اور 'دستنبو' میں—'منطق فارسی' اور فارسی کے 'فن سخن' میں انھوں نے اپنے آپ کو 'ساسان ششم' کہا ہے - دساتیر کے بارے میں دیکھیں پروفیسر پورداؤد کا مقالہ 'دساتیر' ان کی کتاب 'فرہنگ ایران باستان' میں -

(جاری)

۱۷

حق داد بہ سیّد زبیِ انعامش
فرخ پسرے کہ واجب است اکرامش

تاریخِ ولادتش بود بے کم و بیش
'ارشاد حسین خان'، کہ باشد نامش

۱۲ : یہ رباعی مثنوی ابرگہر بار (مطبوعہ ۱۸۶۵ء) کے دیباچے میں درج کی گئی تھی (دیکھیں مثنویات باغ دو در ، صفحہ ۱۰۷)۔
چوتھے مصرعے میں حدیث : 'ذکروا امواتکم بالتی ھی احسن ، کی طرف اشارہ ہے ۔

۱۳ : یہ رباعی غالب نے دربار و خلعت کے سلسلے میں ۱۷ ستمبر ۱۸۶۴ء اور ۱۶ نومبر ۱۸۶۴ء کے درمیان متعلقہ عرضداشت کے ساتھ لفٹننٹ گورنر پنجاب ، سر رابرٹ منٹگمری کو بھیجی ہوگی۔ دیکھیں تحقیق نامہ صفحہ ۷۴ ۔

۱۴ : یہ رباعی غالب نے اکتوبر ۱۸۶۶ء میں کہہ کر پیش کی ہوگی ۔ دیکھیں گذشتہ صفحات میں فرد : ۴ کا حاشیہ ۔
(جاری)

۱۵ : 'بیپایہ'—اس بظاہر کفر آمیز شوخی میں منطقی بنیاد اور اور اپنی بریت کا پہلو یہ ہے کہ ذات الہی مادے سے مبرا اور منزہ ہے ۔ لفظ 'بیپایہ' میں توریہ ہے ۔

۱۶ : یہ رباعی غالب نے اپنے خط مورخہ ۱۱ اپریل ۱۸۶۷ء میں درج کر کے محمد حسن خان ، ایڈیٹر 'اخبار دبدبہ سکندری' رامپور کو بھیجی تھی اور لکھا تھا ''ایک رباعی آپ کو اس مراد سے بھیجتا ہوں کہ دبدبہ سکندری میں جہاں رامپور کا لفظ آپ لکھتے ہیں پہلے یہ رباعی لکھ دیا کیجئے اور علی‌الدوام اس کا التزام رہے یعنی رباعی لکھی جایا کرے'' غالب کی نادر تحریریں صفحہ ۷۹ ۔

تعليقات

توضیحات

قصیدہ : ۵

یہ **قصیدہ غالب** نے **نواب کلب علی خان** خلد آشیان کو ، (دیکھیں **قطعہ** ۳۳ کا حاشیہ) جو اس قصیدے کے ممدوح ہیں ، ۲۱ **اگست** ۱۸۶۵ء کو بھیجا تھا اور اس کے ساتھ اپنے خط (مکتوب ۵۲ ، مکاتیب **غالب** ، ص ۵۸) میں لکھا تھا : ''داستان حمزہ قصہ، موضوعی ہے ۔ **شاہ عباس ثانی** کے عہد میں **ایران** کے صاحب طبعوں نے اس کو تالیف کیا ہے ۔ **ہندستان** میں **امیر حمزہ** کی داستان ہی کو کہتے ہیں ، اور **ایران** میں **رموز حمزہ** اس کا نام ہے ۔ دو سو کئی برس اس کی تألیف کو ہوئے ۔ اب تک مشہور ہے اور ہمیشہ مشہور رہے گا ۔ آپ کے اس تکیہ‌دار روزینہ‌خوار فقیر نے آپ کی مدح میں ایک **قصیدہ** لکھا ہے ، مشتمل اس التزام پر کہ تشبیب کی **ابیات** اور مدح کے اشعار میں **حمزہ** و اولاد حمزہ و زمردشاہ وغیرہ یا ان کے معاملات و حالات کا ذکر درمیان آئے ۔ سو وہ قصیدہ آج اس خط کے ساتھ ارسال کرتا ہوں ۔ امید ہے کہ حضرت اس کو پڑھ کر محظوظ ہوں ۔ خدا آپ کو قیامت تک سلامت رکھے! مگر جب تک امیر حمزہ کا قصہ مشہور رہے گا ، یہ قصیدہ بھی **شہرت** پذیر رہے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔'' (نیز دیکھیں **عرشی** صاحب کے متعلقہ حواشی **مکاتیب غالب**

داستان **امیر حمزہ** کی ایک روایت **نواب کلب علی خان** والیٔ **رامپور کی تألیف** ہے ۔ یہ **بدیع الزمان** اور باختر کی داستان ہے ۔ اس کا قلمی نسخہ کتاب‌خانۂ **رامپور** میں محفوظ ہے ، طبع نہیں ہوئی ہے ۔

ڈاکٹر گیان چند صاحب کی مشہور کتاب ''اردو کی نثری

داستانیں'' میں جس کی کتابیات میں نواب کلب علی خاں کی داستان بھی مذکور ہے یہ کردار رموز حمزہ یا داستان امیر حمزہ کی مختلف روایتوں کے بیان میں نہیں ملتے ، سوائے چند ناموں کے مثلاً بدیع الزمان ، بختیارک ، بختک ، نورالدہر (نہ کہ دبود نورالدہر) نواب صاحب کی داستان کے کرداروں کے نام کی تفصیل ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں درج نہیں کی ۔

قصیدہ : ۹

یہ قصیدہ غالب نے نواب کلب علی خان خلدآشیاں کے جشن تخت نشینی کے موقع پر ، جو دسمبر ۱۸۶۵ء کے پہلے ہفتے میں منایا گیا تھا ، خود پیش کیا تھا ۔ یہ جشن رامپور سے دو کوس کے فاصلے پر آغا پور بستی میں یکم دسمبر کو شروع ہوا تھا ، جہاں ۵ دسمبر کو کمشنر روہیلکھنڈ ڈویژن نے سرکار انگلشیہ کی طرف سے نواب صاحب کو خلعت پہنایا تھا ۔ غالب اس جشن میں شرکت کے لیے ۲ اکتوبر کو دہلی سے روانہ ہو کر ۱۲ اکتوبر کو رامپور پہنچ گئے تھے (دیباچہ مکاتیب غالب) یہ انھیں وہیں جا کر معلوم ہوا ہوگا کہ ۵ دسمبر کو خلعت آئے گا ۔ قصیدے کی زمین انھوں نے خلعت لائے جانے ہی کی مناسبت سے اختیار کی ہے ۔ یہ انہی (تاریخوں ۱۲ اکتوبر اور ۵ دسمبر) کےدرمیان کہا گیا ہوگا ۔

۱ : فصل خزاں : جشن تخت نشینی اور قصیدے کی پیشکش کا زمانہ جس کی تفصیل اوپر بیان ہوئی ، موسم خزاں کا تھا ۔

۱۰ : یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ ۶۲۶ھ میں خلیفہ بغداد المستنصر باللہ کا سفیر التتمش کے لیے خلعت لے کر آیا تھا ۔ دربار دہلی کے شاعر تاج الدین ریزہ نے اسی زمین میں (صرف باختلاف حرف ردف) قصیدہ کہہ کر پیش کیا تھا ، جس کا مطلع یہ ہے :

مژدہ عالم را ز عالم آفرین آوردہ اند
زانکہ شہ را از خلیفہ آفرین آوردہ اند

اس قصیدے کا ایک شعر یہ ہے :

شادیِ عامست در شہرِ اینکہ بہرِ شہریار

خلعتِ خاصِ امیرالمومنین آوردہ اند

تاج ریزہ کا قصیدہ **غالب** کی نظر میں ضرور تھا ۔ مشترک زمین کے علاوہ ، جس میں **غالب** نے حرف ردف بدل لیا ہے ، دونوں قصیدوں کے بعض بنیادی مضامین بھی متوازی ہیں ۔ **تاج ریزہ** کے قصیدے کے متن کے لیے دیکھیں : **ڈاکٹر اقبال حسین** کی کتاب Early Persian Poets Of India ، مطبوعہ پٹنہ ، ۱۹۳۸ء ، جس میں یہ قصیدہ تقی کاشی کی تألیف **خلاصۃ الاشعار** کے ایک مخطوطے سے درج کیا گیا ہے ۔)

قطعہ : ۲۲

قوی احتمال ہے کہ **غالب** نے یہ قطعہ **نواب صاحب ٹونک** کو ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ ، ستمبر ۱۸۵۱ء میں بھیجا ہوگا ۔ (دیکھیں **ڈاکٹر تنویر احمد صاحب علوی** کا مضمون **غالب** کی ایک فیصلہ کن تحریر ، رسالہ آج کل **دہلی** ، شمارہ **فروری** ۱۹۵۳ء ، نیز جناب **شان الحق حقی** کا مقالہ ، **غالب اور ٹونک** ، رسالہ **ماہ نو** ، **کراچی** ، شمارہ فروری ۱۹۵۱ء)

قطعہ ۲۹

یہ قطعہ **غالب** نے **اس** قطعے کے جواب میں لکھا تھا جو مسٹر **الیگزنڈر اسکنر** کی طرف سے **'اولڈ ٹام'** کے تحفے کے ساتھ

انھیں بھیجا گیا تھا اور نواب علاءالدین احمد خان بہادر علائی کا نظم کردہ تھا ۔ قطعے سے پہلے یہ شعر تھا :

بنامِ نامیِ غالب ہمی رود نامہ
ز اسکرکہ ارادت گزینِ دیرین است

پھر قطعہ تھا :

فرمان روای کشورِ معنی توئی کہ شد
زیرِ نگینِ فضلِ تو ملکِ سخن تمام

دریوزۂ کلام دبیرِ فلک کند
از فیضِ جنبشِ لبِ جان بخش تومدام

خواہم کہ جان بحقِ قدومت کنم نثار
تا آبروی خویش فزایم بہ خاص و عام

جانِ حزین کہ خستۂ پیکانِ محنت است
لرزد بہ خاکِ پای تو اے قبلۂ انام

جان نیست خود عزیز کہ آزادۂ دلیر
از جان عزیزتر شمرد بادہ را مدام

اندہ گسار و غم ربا آن آبِ زندگی
آن نورِ شمعِ میکدہ و آبروی جام

آبے کہ خضر در ہوسش جان ہمی دہد
اسکندرش بجست ولے ماند تشنہ کام

آبے چنانکہ گرفتیش قطرۂ بہ خاک
صد گل دمد بروی زمین آفتاب نام

آتش مزاج آب فرح‌بخش خوشگوار
سرمایۂ نشاط می ناب اولڈ ٹام

زی‌خواجہ‌ہدیہ ایست ز روی نیاز و مہر
دو چار شیشہ زان می‌صاف چو سیم‌خام

بپذیریش ز راہ کرم تا ہمی کنم
جان را رہین منّت الطاف والسلام

کوتاہ شد سخن بہ‌دعای بقای تو
انجام یافت نامہ باکرام و احترام

(یہ قطعہ جو مالک رام صاحب نے رسالہ رومان ، لاہور ، کے فروری ۱۹۳۷ء کے شمارے سے اپنی مرتبہ سبد چین کے متعلقہ حاشیے میں ضروری تعارف کے ساتھ نقل کیا ہے ، ہم یہاں مدیر رومان اور مرتبِ سبد چین کے شکریے کے ساتھ درج کر رہے ہیں ۔)

غالب نے اپنی فارسی نظم و نثر میں انگریزی الفاظ دونوں طرح استعمال کئے ہیں مفرس صورت میں بھی اور غیر مفرس بھی ۔ باغ دودر کے قلمی نسخے میں اور باغ دودر کے حصۂ نظم کے اس قلمی اضافے میں جو کلیات نظم فارسی مطبوعہ ۱۸۶۳ء میں شامل ہے اور غالب کے شاگرد قاضی

عبدالجمیل جنون بریلوی کی ملکیت میں رہا ہے یہ الفاظ 'کاس ٹلن'، 'اولڈ ٹام'، اور 'پوٹ وین'، ٹ اور ڈ ہی سے لکھے گئے ہیں ۔

غزل : ۳

اس زمین میں بیدل کی دو غزلیں ہیں حسب ذیل مطلعوں کی:

(۱) در طپش آباد دہر حیرت دل لنگراست
مرکز دور محیط آب رخ گوہر است
(کلیات بیدل ، جلد اول ، صفحہ ۲۵۳)

۲) شعلہ بے بال و پر سجدہ گر اخگر است
سعی چو پستی گرفت آبلہ پا سراست
(ایضاً ، صفحہ ۳۰۰)

غزل : ۷

اس زمین میں امیر خسرو کی غزل ہے ، لیکن غالب نے قافیہ کا حرف روی بدل لیا ہے ۔ امیر خسرو کی غزل میں حرف روی (ز) ہے ۔

غزل : ۸

یہ غزل خواجوی کرمانی کی زمین میں ہے ۔ خواجو کا مطلع ہے :

چو برقمر ز شبِ عنبری[1] نقاب انداخت
دلِ شکستہ ما را در اضطراب انداخت

(دیوان اشعارِ خواجوی کرمانی، کتاب الشوقیات ، صفحہ ٦۵٢)

غالب نے قافیے سے 'ب' نکال دیا ہے ۔ اس صورت میں انداخت کا الف قائم رہتا ہے ۔ حرفِ ما قبل کے ساتھ انداخت کا نون مدغم نہیں ہوتا ۔

فرد : ۱

غالب کے ایک معاصر (غالباً تفضّل حسین خاں خیر آبادی) کی بیاض میں اس زمین کے حسب ذیل اشعار درج ہیں :

ملک قمی :

باکم از کشتہ شدن نیست ازان می ترسم
کہ ہنوزم نفسے باشد و قاتل برود

مرزا حسن بیگ رفیع :

تا قیامت دگر آن کشتہ نگیرد آرام
کہ دلش زخمِ دگر خواہد و قاتل برود

نظیری :

قصہ ما بہ عزیزانِ وطن خواہد گفت
ہر کہ را تختہ ازین ورطہ بہ ساحل برود

---

۱ - 'عنبری' ہی ہے 'عنبرین' نہیں ۔

فیضی :

ساربان ناقہ مرنجان و حدی ساز مکن
کشش دل نہ چنانست کہ محمل برود

عرفی :

گر بمیرم منما چہرہ بہ من روز وصال
حسرت روی تو حیف است کہ از دل برود

سعدی :

دلے از سنگ بباید بہ سر راہ وداع
تا تحمّل کند آن روز کہ محمل برود

می روم یک‌دوقدم راہ و بہ سر می‌افتم
ہمچو آن مرغ سراسیمہ کہ بسمل برود

یادداشت : **قطعہ ۱۲ جس مسجد کی تاریخ تعمیر کا قطعہ ہے** اس سے متعلق ایک کتاب کا اقتباس جو محترمی جناب سلیم‌الحق صاحب حقی نے عطا فرمایا درج ذیل ہے :

مسجد سرا

یہ مسجد خوش قطع سرائے سابق کے دروازہ کے رو برو سن ہجری ۱۲۵۹ (؟) میں **میر سعادت علی** ، سابق میر منشی ایجنٹی راجپوتانہ نے بنا کر دلیا میں نام عقبیٰ کا کام کیا ۔ ایک چاہ پختہ مسجد سے ملحق سمت جنوب بنا ہوا ہے ، مسجد کی محراب پر سنگ مرمر کی لوح میں بخط طغریٰ یہ قطعہ تاریخ کندہ ہے [جس کے آخر میں کاتب نے اپنا نام درج کیا ہے] :

(کتبہ میر جلال الدین مرصع رقم)

اب مسجد کے رو برو ، بسبب تعمیر ہونے اسٹیشن ریلوے کے ، بہت رونق اور گلزاری ہوگئی ہے ، اور ہوتی جاتی ہے ، قریب اس کے پہلے چشتی چمن تھا ، اب چشتی چمن کٹ کر اُس مقام پر سرائے پختہ سرکار درگاہ کی طرف سے بہت خوش نما تعمیر ہو گئی ہے ، اس کی لاگت میں تخمیناً چالیس روپیہ (؟) درگاہ شریف کا صرف ہوا ہے -

نقل از تاریخ خواجہ اجمیر معروف بہ احسن‌السیر

از تالیف محمد اکبر جہان خان

مطبوعہ مفید عام پریس ، آگرہ ، صفحہ ۱۰۳

یادداشت : توضیحات میں مکاتیب غالب مرتبہ جناب امتیاز علی عرشی صاحب کے حوالے پہلے ایڈیشن کے ہیں -

بیدل کے اشعار کا حوالہ کلیات بیدل (۳ جلد) طبع کابل ۱۳۴۲ھ کا ہے -

خواجوی کرمانی کے اشعار دیوانِ خواجوی کرمانی مرتبہ سہیلی خوانساری طبع تہران سے لیے گئے ہیں -

توضیح : حواشی اور تعلیقات میں جہاں تحقیق نامہ کا حوالہ آیا ہے اس سے مراد کتاب 'باغ دودر' کا تحقیق نامہ ہے جو متن کی تعلیقات پر مشتمل ہے - 'باغ دودر' جسے راقم نے مرتب کیا ہے یونیورسٹی اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی لاہور کی طرف سے چھپی ہے اور شائع ہونے والی ہے - (مرتب)

لفظ سبد چین

لفظ ، سبد چین ، جس میں سین اور بے مفتوح اور دال ساکن ہے اور جس کا فارسی میں ایک مترادف 'پسا چین' بھی ہے مصدر 'چیدن' سے اسم مفعول سماعی ترکیبی ہے ، یعنی میوۂ چیدہ در سبد ، یا بچا کھچا ٹوکری بھر پھل ، جو فصل ختم ہونے پر درختوں پر رہ جاتا ہے ۔ یہی معنی غالب نے اپنے دیباچے میں بتائے ہیں ۔

اس کتاب کا نام غلط طور پر 'سبدِ چین' مشہور ہو گیا ہے ۔ یہ مرکب لفظ جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی ترکیبِ اضافی نہیں ہے ، ورنہ چین کی ٹوکری کے معنی میں ہوتا ۔

حواشیِ غالب

(خاص خاص الفاظ کے معانی بتانے کے لیے غالب نے جو حاشیے مثنوی ابرِ گہر بار (اشاعت ۱۸۶۴ء) کے ملحقات پراور سبد چین (اشاعت ۱۸۶۷ء) کے مندرجات پر لکھے تھے وہ یہاں ابجدی ترتیب سے جمع کر دیے گئے ہیں ۔)

لفظ	معنی	حوالہ
*آدم اوباری	آدمی کو نگل جانا (اوباریدن = نگل جانا)	قصیدہ ۵ : ۳۰
افسار	پوزی	رباعی ۸ : ۱
اِینت	زہے و خہے	قصیدہ ۱ : ۳۰ ، قطعہ ۲۵ : ۳
بدا	بسیار بد	قصیدہ ۵ : ۲۶
ُبندار	داروغۂ توشہ خانہ	قصیدہ ۲ : ۲
پیشرو	الاپ	ایضاً : ۲۳
تنبل (بالفتح)	سست و کاہل	ایضاً : ۴۳
جاور	حال	رباعی ۸ : ۲

*(یہ حاشیہ ہماری طرف سے ہے ۔ مکاتیب غالب مرتبہ جناب مولوی امتیاز علی صاحب عرشی میں بھی اس طرح کا حاشیہ ہے ۔)

جاور گردش	انقلاب	ایضاً
جشنِ سده	نام جشنے است که پارسیان در آفتاب قوس کنند	قصیده ۲ : ۲۱
سو گیری	طرفداری	قطعه ۲۶ : ۲
فرتاب	قدرت و کرامت	قصیده ۲ : ۲۷
فرگاه	بارگاه	قصیده ۲ : مطلع
کاپتره	احمقانه کلام	قطعه ۲۶ : ۲۹
گرزن	تاج	رباعی ۸ : ۱
ِنهنبن	سرپوش	قطعه ۱۷ : ۱
بهاره	بمواره	قصیده ۵ : ۲۷

نسخہ بدل

(اختصارات : ب = باغ دودر ، ج = باغ دودر کا حصہ‌نظم قاضی عبدالجمیل جنون بریلوی شاگرد غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ، ق = احمد حسن صاحب قریشی قلعہ‌داری کا مملوکہ مثنوی ابر گہربار کا قلمی نسخہ ، م = مالک رام صاحب کا مرتبہ نسخہ سبد چین) - یہاں سید چین کی پہلی اشاعت کے نسخہ بدل شامل نہیں کیے گئے اس لیے کہ اس کا کاتب بے حد غلط نویس ہے - وہ اختلافات بھی جو محض املائی ہیں ظاہر نہیں کیے گئے -)

ترجیع بند :

ترجیع کا مصرع ثانی: 'پادشہ' (ج) بادشہ (ب ، م) - پ سے ٹھیک ہے - بادشاہ (ب ، ج ، م) یہ بھی "پادشاہ" ہونا چاہیے -

ترکیب بند :

همدمان در دلم از دیده نهانید همه
غالب غمزده را روح و روانید همه
(ب ، م)

.........روح روان............... (ج)

سود بینید وفا دیده و نورید همه
زنده مانید جفا قالب و جانید همه (ب)

........وفا دیده و نورید (م)

........وفا دیدهٔ نورید (ج)

........صفا .... (ج ، م)

مندرجہ بالا متون میں 'روح و رواں' 'وفا دیدہ و نورید' اور 'صفا قالب و جانید' صحیح ہیں ۔

قصیده ۵ :

عنطلیہ (ب ، ج ، م) اثریا (مکاتیب غالب مرتبہ جناب عرشی) ، ایضاً : ۳۹ قندز (ب ، ج) قندر (م ، عرشی)

قطعه ۳ :

بیت ۲ چون (ب) ، چو (م) ، بیت ۳ چون (ب) ، چو (م) دونوں جگہ 'چون' صحیح ہے ۔

قطعه ۴ : ۹

زمان (ب) زمانہ (ج) دیار (م) 'زمان' صحیح ہے ۔

قطعه ۶ : ۱

پادشاہی (ب) بادشاہی (م) 'پادشاہی' صحیح ہے ۔

قطعه ۸ : ۴

پادشاہ (ب) بادشاہ (م) 'پادشاہ' صحیح ہے ۔

ایضاً : ۵

طرہ (ب) ترہ (م) 'طرہ' صحیح ہے ۔

ایضاً : ۱۰ از (ب) وز (م) 'وز' بہتر ہے ۔

ایضاً : ربود (ب) برد (م) 'برد' ہونا چاہیے ۔

قطعہ ۱۳ : ۱

فرزانہ (ب) فرزانہٗ (م) جو ظاہر ہے 'فرزانہ' ہے ۔ 'فرزانہٗ' سہو کتابت ہے ۔

قطعہ ۱۸ :

سروش تہنیتِ زبدۂ مطالب (ب) سروشِ تہنیت زبدۂ مطالب (م)

'سروش' مضاف نہیں ہے ، 'تہنیت' مضاف ہے ۔

قطعہ ۲۲ :

آخری بیت : بذل و احسان (ب) بذل احسان (م)

'بذل و احسان' ہونا چاہیے ۔

قطعہ ۲۳ : ۹

'پادشاہ' پہلے مصرعے میں اور 'پادشہ' دوسرے مصرعے میں (ب) دونوں لفظ ب سے (م) ،

آخری بیت : بگریز (ب ، م) بگذر (ج)

پہلے شعر میں دو نسخہ بدل ب کے اور دوسرے میں ج کا نسخہ بدل صحیح ہے ۔

قطعہ ۲۵ :

'بگو رفعِ اعداد وے اینت پاسخ' (ب و م)
'بگو رفع اعداد این است پاسخ' (ج)

ب و م کا نسخہ درست ہے -

قطعہ ۲۶ : ۲۴

ھان (ب ، م) ھمہ (ج) 'ھان' چاہیے -

ایضاً : ۲۶

کس (ب ، م) کش (ج) 'کش' ہونا چاہیے -

قطعہ ۲۹ :

دوسرا شعر م میں غلط چھپ گیا ہے - ظاہر ہے سہو کاتب ہے - یوں ہونا چاہیے :

در جلدوی اینچنین نکوئی
جان نذر کنم کہ نیک مردی

بجائے :

در جلدوی چنین نکوئی
جان نذر نکنیم کہ نیک مردی

قطعہ ۳۰ : ۱

رہی (ب) زہے (م) - 'زہے' ہونا چاہیے -

قطعہ ۳۱ : ۱۱

بافروغ و فروضیا (ب) بافروغ دادضیا (م)

یہاں ب درست ہے ۔

قطعہ ۳۲ : ۲

تا (ب) طا (م)

ایضاً : ۳

اشارات (ب) بشارات (م) یہاں ب ہی صحیح ہے ۔

ایضاً : ۳

تا (ب) طا (م)

دوسرے اور تیسرے دونوں شعروں میں 'طا' ہونا چاہیے ۔ استدلال کے لیے ملاحظہ ہو ۔

"باغ دودر" کے تحقیق نامے میں اس قطعے پر راقم کا تبصرہ ۔

غزل ۳ : ۵

مہمل گل (ب، ج، م) 'محمل گل' بہتر ہے۔ (تصحیح قیاسی)

غزل ۵ : ۵

زخم نمکدان (ب ، ج، م) تینوں متن غلط ہیں ۔ 'زخم و نمکدان' ہونا چاہیے ۔ یہ تصحیح ہماری طرف سے قیاس علمی کی رو سے ہے ۔

غزل ٦ : ۱۰

بیخودئی (ب) بیخودی (م) م میں کاتب کا سہو معلوم ہوتا ہے ۔

غزل ۱۰ : ۳

اناالله گوی (ب) انا الله گوئے (م) یہاں "گوئی" فارسی اصول شعر کے لحاظ سے وزن سے خارج ہے۔ "گوی" ہونا چاہیے۔ یہاں یای تنکیر کا اضافہ نہیں ہے۔

ایضاً : ۸

گوی (ب) گوئی (م) یہاں بھی گوئی یعنی فعل مضارع ضمیر متصل فاعلی کے ساتھ وزن سے خارج ہے۔ یہاں فعل امر غیر مرخم "گوی" استعمال ہوا ہے۔

رباعی ۲ : ۱

روز عید نو روز (ق) روز عید و نوروز (ب ، م)۔ ق صحیح ہے۔

مثنوی ابر گہر بار مطبوعہ ۱۸۶۳ء کے ملحقات کے متن میں اس رباعی کا پہلا مصرعہ غلط چھپا ہے :

امروز کہ عید نوروز بود

بجائے

امروز کہ روز عید نوروز بود

تشکر

ڈاکٹر میاں بشیر حسین صاحب ، لیکچرار فارسی ، اورینٹل کالج لاہور اور اقبال صلاح الدین صاحب ایم ۔ اے (فارسی و اردو) جنھوں نے از راہ محبت و نوازش پروفوں کی تصحیح میں مدد دی اور مطبع عالیہ کے مالک جناب اظہار الحسن رضوی جنھوں نے بعض مشکلات کے باوجود طباعت میں ایک خاص سلیقے کا التزام رکھا میرے دلی شکریے کے حقدار ہیں ۔

وزیرالحسن عابدی